موت

کی دہلیز پر



تالیف
نوری عبداللہ الضاحی

ترجمہ
بنت غلام نبی

تخریج
عبداللہ یوسف ذہبی

مکتبہ اسلامیہ

موت کی دہلیز پر

تالیف

نوری بن عبداللہ الضاحی

ترجمہ
بنت غلام نبی سمیرا طاہرہ

تخریج
عبداللہ یوسف ذہبی

مکتبہ اسلامیہ

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت 2014ء

قیمت ....

مطبع

مکتبہ اسلامیہ پرنٹنگ پریس لاہور

0300-8661763

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

لاہور غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

Email: maktabaislamiapk@gmail.com, Visit on Facebook page: maktabaislamiapk

کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

فہرست

حصہ اول

حصہ دوم

تقدیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَطِیْبِ الْاَنْبِیَآءِ وَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ .

خالق کائنات نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ❶

''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تا کہ وہ آزمالے کہ تم میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے۔''

اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں، ایک یہ کہ موت وحیات کا سلسلہ انسان کی آزمائش کے لیے ہے اور دوسری یہ کہ رب العزت کے ہاں حسنِ عمل مطلوب ومقبول ہے اگرچہ وہ قلیل ہو۔ نہ کہ وہ کثیر عمل جو حسن اور خلوص سے خالی ہے۔

محترم قارئین! یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، عربی کتاب ((كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا)) کا اردو ترجمہ ہے جس کے مصنف محترم ''نوری عبداللہ الضّاحی'' ہیں۔

میں تہہ دِل سے محترم اساتذہ ڈاکٹر قاری محمد عرفان صاحب اور الشیخ علی مرتضیٰ طاہر صاحب کی شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے اس کارِ خیر کی ترغیب دلائی اور ہر ممکنہ رہنمائی سے نوازا۔

مجھے اپنی کم مائیگی اور کم علمی کا بخوبی ادراک ہے لیکن یہ فرمانِ الٰہی راہ بنا کہ

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ ❷

''اس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے۔''

یعنی نیکی کی ترغیب اور صراطِ مستقیم کی طرف بلانے والے کی صدا ہر پکار سے افضل ہے۔

---

❶ (الملك: ٢) ❷ فصلت: ٣٣۔

کتاب کا ترجمہ کرتے وقت میری حتی المقدور کوشش رہی کہ عربی عبارت اور بالخصوص اشعار کے ترجمہ کے لیے موزوں ترین الفاظ استعمال کروں اور نہیں معلوم کہ یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہوئی ہے کیونکہ عربی زبان جس قدر وسعت اور چاشنی اپنے اندر رکھتی ہے اس لحاظ سے اسے کسی اور زبان میں ڈھالنا خاصا مشکل کام ہے لیکن یہ مشکل رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان نے کسی قدر آسان کر دی جس کا مفہوم ہے کہ ''اگر ایک انسان کی کوشش سے کوئی دوسرا ہدایت پا لے تو اس کے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

کیونکہ آج کے اس نفسا نفسی اور مادہ پرستی کے دور میں غیر مسلم تو ایک طرف رہے ہم مسلمان بھی جو دین اسلام اور اخلاقیات سے روز بروز دُور ہوتے جا رہے ہیں، بہت سی مُسلّم وجوہات میں سے اس تنزّلی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اپنے رب کے ہاں حاضر ہونا یاد نہیں کہ اگر صالح اعمال سے دامن خالی ہوگا تو دنیا کی چاہتیں کسی کام نہ آئیں گی تبھی تو ہم غفلت کی وہ گہری نیند سو رہے ہیں کہ نہ کسی واعظ کا وعظ اثر پذیر ہے اور نہ ماڈرن معاشرے میں دب جانے والے اسلامی اشعار کی مظلوم سسکیاں۔ ایسے میں اگر یہ کتاب کسی بھٹکے ہوئے کا ہاتھ تھام کر اسے رب کی بارگاہ میں لے جائے تو ''مجھ زیاں کار کا بھی مقدر چمکے''

اصل عربی کتاب میں سرخیاں درج نہیں تھیں، بس ترتیب یونہی تھی کہ اول تا آخر الگ الگ پیراگراف کی شکل میں حقائق و وقائع بیان کیے گئے تھے، لیکن ترجمہ میں سرخیاں درج کر دی گئی ہیں تاکہ قارئین کو موضوع تلاش کرنے میں آسانی رہے اور ساتھ ہی کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ''حصہ اول'' جس میں انسانی غفلت کی وجوہات اور موت سے بے توجہی کا انجام واضح کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ زندگی کے ہر لمحہ میں موت اور محاسبہ کا تصور کس طرح انسان کے لیے دنیاوی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے جبکہ ''حصہ دوم'' میں چند اہم شخصیات کی موت کے حالات بطور نمونہ اور مثال مختصراً بیان کیے گئے ہیں کیونکہ بات کو مثال کے ذریعے سمجھانا خالقِ کائنات کا وطیرہ بھی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ [1]

---

[1] الحشر: ۲۱۔

''اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیری کاوش کو میرے لیے، میرے والدین اور اساتذہ کے لیے مغفرت اور تمام قارئین کے لیے دنیاوی اور اخروی منفعت کا ذریعہ بنائے۔

﴿اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ○ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ○﴾

بنت غلام نبی سمیرا طاہرہ

اے کاش برس جائے یہاں نور کی بارش
ایمان کے شیشوں پہ بڑی گرد پڑی ہے

يُذَكِّرُنِيْ طُلُوْعُ الشَّمْسِ صَخْرًا — وَأَذْكُرُ لِكُلِّ غُرُوْبِ شَمْسِ
وَلَوْلَا كَثْرَةُ الْبَاكِيْنَ حَوْلِيْ — عَلَى إِخْوَانِهِمْ لَقَتَلْتُ نَفْسِيْ
وَمَا يَبْكِيْنَ مِثْلَ أَخِيْ وَلٰكِنْ — أُسَلِّي النَّفْسَ عَنْهُ بِالتَّأَسِّيْ
فَقَدْ وَدَّعْتُ يَوْمَ فِرَاقِ صَخْرٍ — أَبِيْ حَسَّانَ لَذَّاتِي وَأُنْسِي
فَيَا لَهْفِيْ عَلَيْهِ وَلَهْفِ أُمِّيْ — أَيُصْبِحُ فِي الضَّرِيْحِ وَفِيْهِ يُمْسِي

ان اشعار کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

① سورج کا طلوع ہونا اور اس کا غروب ہونا مجھے صخر کی یاد دلاتا ہے۔
② اگر میری طرح میرے ارد گرد اپنے بھائیوں پر رونے والے بہت سے لوگ نہ ہوتے تو میں (اس کی یاد میں رو رو کر) اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتی۔
③ رونے والیاں کسی ایسے کے لیے نہیں روتیں جو میرے بھائی جیسا ہو لیکن میں نے تو اس کے دُکھ میں اپنی جان کھلا دی ہے۔
④ میں نے صخر کی جدائی کے دن سے ابوحستان کو بھی چھوڑ رکھا ہے، جو میری چاہت والفت تھا۔
⑤ ہائے! اس پر افسوس! صد افسوس! کیا وہ اپنے شب و روز وہیں قبر میں گزارے گا۔

سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کا موت کے بارے میں نکتہ نظر

اس پر مرثیہ کہنے کی وجہ سے سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا نے بہت شہرت پائی۔ وہ اپنے بھائی کے لیے اس قدر روئیں کہ ان کی بینائی جاتی رہی، انہوں نے اس طرح جزع فزع کا مظاہرہ کیا کہ زندگی سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کرنے لگیں۔ اس طرح خنساء رضی اللہ عنہا نے موت کو دیکھا۔

اور معرکۂ قادسیہ میں جو کہ خوف، جنگ اور موت کی جگہ تھی خنساء رضی اللہ عنہا اپنے چار بیٹوں کے ساتھ کافی مدت ٹھہری رہیں اور ان سے کہا: ''یقیناً تم نے اسلام قبول کیا ہے اور پھر اپنا دین نہیں بدلا، ہجرت کی، پھر واپس نہیں پلٹے، اب تم اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ آئے ہو اور اسے اہل فارس کے درمیان چھوڑ رکھا ہے۔ جیسے تمہاری ماں ایک ہے بالکل ویسے ہی تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ تم ایک ہی باپ کے بیٹے ہو بالکل اسی طرح جیسے تمہاری ماں بھی ایک ہی ہے، جس نے نہ کبھی تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموؤں کو رسوا کیا، تو چلو اور جنگ کے آغاز سے انجام تک ثابت قدم رہنا۔''

پھر ان کے چاروں بیٹوں نے جام شہادت نوش کیا اور جب خنساء رضی اللہ عنہا تک ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنا مشہور مقولہ کہا: ''تعریف اور شکر اُس اللہ کی ذات کے لیے ہے جس نے اُن کی شہادت کی وجہ سے مجھے عزت و شرف بخشا، اب میں اللہ سے سوال کرتی ہوں کہ مجھے بھی ان کے ساتھ اپنی رحمت والی جگہ (جنت) میں ٹھکانہ دے۔'' [1]

وہ کیا چیز تھی جس نے موت کے بارے میں خنساء رضی اللہ عنہا کے نقطۂ نظر کو جاہلیت سے اسلام کی طرف پھیر ڈالا؟ کیا اپنی آنکھیں بھائی کی موت پر رو رو کر گنوا دینے کے بعد وہ اپنے بیٹوں کی موت پر فخر کرنے لگیں؟ اور موت سے خوف کھانے کے بعد وہ جنت میں اپنے بیٹوں سے ملنے کی خواہش کرنے لگیں؟ ان کے اندازِ فکر میں کون سا انقلاب برپا ہوا؟ وہ کون سی تبدیلی ہے جو انسان کو ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف اور ایک سوچ سے دوسری سوچ کی طرف پھیر دیتی ہے؟ وہ تبدیلی اسلام ہے۔

اک نعمت بھی یہی، ایک قیامت بھی یہی
روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہونا

اللہ کی ملاقات کا انتظار

یقیناً یہ اسلام ہی ہے جو موت کو اللہ کی ملاقات کا سبب قرار دیتا ہے، جس کا ایک مسلمان ہمیشہ منتظر رہتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

---

[1] تاریخ الأمم والملوك للطبري: ٢/ ٤١٣؛ الأعلام للزركلي: ٢/ ٨٦۔

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ ❶

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیے تھے انہیں سچ کر دکھایا، چنانچہ بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض موقع کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور کچھ ایسے ہیں جنھوں نے اپنی نذر پوری نہیں کی اور وہ منتظر ہیں۔

''ان میں سے کوئی منتظر ہے'' ہاں! وہ منتظر ہے اور ایسے زندگی گزار رہا ہے جیسے اس نے اپنے آپ کو موت کی نذر پوری کرنے کے لیے روک رکھا ہے تا کہ وہ اپنے رب سے مل سکے اور اس کی قربت میں رہ سکے۔

اور وہ منتظر کیوں نہ رہے! اس نے تو اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے؟ اور اللہ نے اس کے لیے اور اس کے ساتھیوں کے لیے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنا قول بالکل بھی نہیں بدلا؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وعدے پر قائم ہیں اور اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کیا۔ لہٰذا ان میں سے کوئی اپنی مدت پوری کر کے اس دنیا سے رخصت ہوا اور کوئی موت کا انتظار کر رہا ہے اور اس کے لیے آمادہ ومستعد ہے۔

موت کے بارے میں عوام الناس کا مؤقف

ایسے لوگ دنیا وآخرت کو نگاہ میں رکھتے تھے کیونکہ دنیا جائے انتظار ہے اور آخرت جائے قرار، پس وہ آخرت کا انتظار کرتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔

وہ شخص ہی اللہ کی ملاقات کا انتظار نہیں کرتا جو اس کے لیے نہ تو آمادہ ہوا اور نہ اس نے کوئی تیاری کی ہو اور دنیا کے مال ومتاع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی لغویات میں کھو کر اس بات کو بھلا بیٹھا جو اللہ نے فرمائی:

﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝﴾ ❷

---

❶ ۳۳/الاحزاب: ۲۳۔ ❷ ۷/الاعراف: ۵۱۔

''جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسے انھوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا تھا اور جیسے یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔''

اس کا موت کو بھول جانا ہرگز کام نہ آئے گا کیونکہ موت تو لامحالہ آ کر ہی رہے گی، پس اس سے فرار کہاں؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ صریح ہے:

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ ❶

''کہہ دیجیے: جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر رہے گی پھر تم سب ظاہر و باطن کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کیے تمام کام بتلا دے گا۔''

وہ شخص موت سے فرار چاہتا ہے جو اللہ سے ملاقات کا یقین نہ رکھتا ہو اور چاہتا ہو کہ جتنی لمبی مدت تک ممکن ہو دنیا سے مستفید ہوتا رہے۔

اللہ نے ایسے شخص کے لیے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝﴾ ❷

''جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگائے بیٹھے ہیں اور جو ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔''

اور ایسی خواہش کرنے والے کا قول نقل کیا ہے:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۝﴾ ❸

---

❶ ٦٢/الجمعة: ٨۔ ❷ ١٠/یونس: ٧۔ ٨۔ ❸ ٦/الانعام: ١٣۔

''بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی، یہاں تک کہ جب وہ معین وقت دفعۃً ان پر آن پڑے گا۔ کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی اور ان کی حالت یہ ہو گی کہ وہ اپنی کمر پر بار لادے ہوئے ہوں گے خوب سن لو کہ بری ہو گی وہ چیز جس کو وہ لادیں گے۔''

پھر وہ دنیا کے نشیب و فراز میں لمبی زندگی گزارتا ہے، اپنی آخرت سے غافل اور دنیا میں یوں مگن رہتا ہے کہ اسے کھیل اور تماشے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا، حتی کہ اچانک اسے موت آ دبوچتی ہے اور ہر قسم کی لذت کے سلسلے کٹ کر رہ جاتے ہیں اور وہ پھر بھی لہو ولعب کا اسیر ہی رہتا ہے۔ اسے اپنی عمر عزیز کا رائیگاں جانا یاد آتا ہے مگر اس گھڑی ندامت کس کام کی؟

اور چاہے وہ اللہ اور آخرت پر کمزور اعتقاد والا، اپنے انجام سے غافل، دنیا میں مشغول مومن ہو، پھر جب اس کی موت آئے تو وہ ندامت اور افسوس کا مظاہرہ کرے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ [1]

''ان کی توبہ مقبول نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہہ دے کہ میں نے توبہ کی، ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر ہی پر مر جائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یوں ایسے لوگوں کی حالت بیان کی ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ

---

[1] ٤/النساء: ١٨۔

يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ❶

''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے: اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کرلوں، ہرگز ایسا نہیں ہونے والا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے۔ ان کے پس پشت تو اک حجاب ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دِن تک۔ پس جب صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے اور نہ آپس کی پوچھ گچھ۔ جن کے ترازو کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو نجات والے ہوں گے اور جن کی ترازو کا پلہ ہلکا ہوگا، یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا، جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے۔''

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

بیان کیا جاتا ہے کہ جب عبدالملک بن مروان کی وفات کا وقت قریب تھا تو اس نے دھوبی کی طرف دیکھا، جو کپڑوں کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر گھاٹ کے پتھر پر مار رہا تھا، عبدالملک نے کہا: کاش میں ایک دھوبی ہوتا، میں اپنے ہاتھ سے کمائی کرتا اور اسی دِن کھا لیتا اور دنیاوی امور میں سے کسی کام کا ذمہ دار نہ ہوتا۔ جب یہ بات ابوحازم رحمہ اللہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ جب ان (امراء) کو موت آتی ہے تو یہ اس حالت کی تمنا کرتے ہیں جس میں ہم ہیں اور جب ہمیں (علماء وفقراء) کو موت آتی ہے تو ہم اس حالت کی خواہش نہیں کرتے جس میں وہ ہیں۔

درحقیقت وہ اس دنیا میں رہتے ہیں تو آخرت سے غافل، جور وستم کرتے ہوئے، اپنے دین، اپنی جانوں اور اپنی عوام کے حق میں بُرا کرتے ہوئے، پھر جب ان (امراء) میں سے کسی کو موت آن گھیرتی ہے تو وہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ وہ زندگی کی طرف دوبارہ پلٹ جائے تا کہ جو اس نے ظلم وزیادتی کی اس کو (اچھے اعمال سے) بدل سکے اور پھر خواہش کرتا ہے کہ کاش وہ دھوبی ہوتا۔

---

❶ ۲۳/المومنون: ۹۹، ۱۰۳۔

سبحان اللہ! کیا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ کی رضا کے مطابق دنیا میں زندگی گزارتا؟ تاکہ آخرت کی زندگی بھی اسے اللہ کی رضا والی نصیب ہوتی؟ اگر وہ اللہ سے ڈرتا اور موت کی تیاری رکھتا تو کبھی بھی دھوبی ہونے کی خواہش ظاہر نہ کرتا، اور اگر وہ جنت میں داخلے کی سعی کرتا تو پھر برابر تھا کہ وہ غنی ہوتا یا فقیر، بادشاہ ہوتا یا ایک دھوبی۔

کیا وجہ ہے کہ اگر آپ امراء کی زندگیوں پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اپنے تصرفات میں اتنا بھی نہیں جان پائے کہ موت پر ایمان کس قدر ہونا چاہیے۔ پھر جب موت کا وقت آتا ہے تو وہ نادم اور تائب ہوکر صالحین کی حالت کی طرف پلٹتے ہیں، آخر ان کی عقل کہاں ہے؟ کیا وہ جانتے نہیں کہ اس بات پر ان کی قدرت تھی کہ وہ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی عزت کا بھی حقدار قرار پاتے اور وہ عدل وانصاف کرنے والے بادشاہ بن جاتے اور دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہتے تو آخرت میں اس کے بدلہ میں ہر طرح سے فضیلت حاصل کرتے؟

تاجر کا اس کام میں کیا نقصان ہے کہ وہ تجارت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتا رہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا مصداق ہو ''سچا امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا''؟ [1] وہ تجارت میں دھوکہ سے کام کیوں لیتا ہے؟ اور اپنے معاملات میں اللہ سے کیوں نہیں ڈرتا؟ پھر جب موت کا وقت ہوتا ہے تو غور وخوض کرتا ہے اور ندامت کا اظہار کرتا ہے جبکہ اس وقت ایسا کرنا کسی کام کا نہیں۔

اور امیر کا اس بات میں کیا نقصان ہے کہ وہ موت سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کردے؟ کیا وہ ناز ونعمت والی زندگی بسر کرنے کے بعد اور مال سے اپنے رب کا حق ادا کرنے میں بخل کرنے کے بعد، اب جب اس کے پاس موت اچانک آن پہنچی تو وہ نادم ہے؟ اور تمنا کرتا ہے کہ کاش! وہ دنیا کی طرف دوبارہ لوٹ جائے، چاہے ایک گھڑی کے لیے ہی سہی، وہ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردے گا۔

---

[1] سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار، ۱۲۰۹؛ قال الحافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ: اسنادہ ضعیف۔

اے انسان! کیا تو نے عیش وعشرت والی لمبی زندگی بسر نہیں کی؟ تیرے مال میں اللہ کا حصہ کہاں تھا؟ اور تیری زندگی میں موت کا تصور کہاں تھا؟ کیا تو ایک وحشی (مال وزر) پر اعتماد کر بیٹھا، اس کی پرورش کرتا رہا، اسے کھلاتا رہا اور اس کے بل بوتے پر عیش کرتا رہا یہاں تک کہ جب وہ عمر رسیدہ ہوا اور بوجھل جسم والا ہو گیا تو اس نے تجھے ہی شکار بنا لیا؟

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّ الَّذِيْ لَا يُؤَدِّي زَكَاةَ مَالِهِ يُمَثَّلُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعٌ أَقْرَعُ لَهُ زَبِيْبَتَانِ يَلْزِمُهُ أَوْ يُطَوِّقُهُ، يَقُوْلُ لَهُ: أَنَا كَنْزُكَ، أَنَا كَنْزُكَ)) [1]

''وہ شخص جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیامت کے دن اس کا مال ایک گنجے سانپ کی صورت اختیار کر جائے گا جس کی دو زبانیں ہوں گی، وہ اس (مالک) کے ساتھ چمٹ جائے گا یا اس کی گردن کے گرد لپٹ جائے گا اور اس سے کہے گا: میں تمہارا مال ہوں، میں تمہارا مال ہوں۔''

جب انسان حیوانیت کے درجہ سے بھی گر جاتا ہے

اور اللہ نے بھی توضیح فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝﴾ [2]

''اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، یہی لوگ غافل ہیں۔''

ہاں! وہ لوگ جانوروں سے بڑھ کر گمراہ ہیں کیونکہ جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے عقل سے

---

[1] مسند أحمد: ۱۵۶/۲، سنن النسائی: ۲٤۸۳، صحیح ابن خزیمۃ: ۲۲۵۷، قال الحافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ: اسنادہ صحیح۔ [2] ۷/الاعراف: ۱۷۹۔

نہیں نوازا جس سے وہ حقیقت کا ادراک کر سکیں اور راہ پا سکیں بلکہ ان کو ان کی فطرت وطبیعت میں آزاد رکھا ہے اور حضرت انسان کو اللہ نے عقل عطا کر رکھی ہے۔ اب اگر وہ اس کا درست استعمال نہیں کرتا تو اپنی ذات پر خود ہی یہ فردِ جرم عائد کرواتا ہے کہ وہ جانوروں سے بڑھ کر گمراہ ہے۔

موت! ایک نصیحت

یقیناً عاقل ودانا وہی ہے جو ہر کام کا انجام نگاہ میں رکھے اور دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور ایسا کچھ نہ کرے کہ دوسرے اس کے انجام سے عبرت پکڑیں، کیونکہ وہ سعادت مند ہے جو دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کرے اور وہ بدبخت ہے جس کے انجام سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو، اور موت اور قبر نصیحت وعبرت کا سامان ہی تو ہیں! بلکہ زندگی بذات خود ایک نصیحت ہے۔ لیکن کہاں ہیں عبرت پکڑنے والے؟ یہ دنیا تو عبرتوں سے بھری پڑی ہے، مگر کہاں ہے کوئی ایسا صاحبِ بصیرت جو فہم وادراک سے کام لے اور انجام کا حساب آج ہی سے رکھے؟

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
ملے خاک میں اہل شان کیسے کیسے
مکیں ہو گئے لامکاں کیسے کیسے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا
اسی سے سکندر سا فاتح بھی ھارا
ہر اک لے کے کیا کیا نہ حسرت سدھارا
پڑا رہ گیا سب یونہی ٹھاٹھ سارا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

یہ ہی تجھ کو دھن ہے رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
تجھے حسن ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا
جوانی نے پھر تجھ کو پاگل بنایا
بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا
اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

موت کا انتظار

اس بات پر ایمان کہ موت کا سبب انتہائے اجل ہے جو کسی صورت موت سے جدا نہیں ہو سکتی اور موت کا انتظار پوری تیاری اور آمادگی کے ساتھ ہر لمحہ ہر گھڑی لازم ہے، یہ آخرت پر ایمان کا حصہ ہے جس کا دروازہ موت کے ساتھ کھل جائے گا پھر وہاں کوشش وعمل کا وجود نہ ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے سے پکڑا اور فرمایا:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ))

''دنیا میں اس طرح رہو جیسے ایک اجنبی یا راہ چلتا مسافر۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر اور جب شام کرلے تو صبح کا انتظار نہ کرے اور اپنے صحت کے ایام میں بیماری اور زندگی میں موت کا سامان تیار رکھ۔'' ❶

مجاہد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کسی حصہ سے پکڑا اور مجھ سے فرمایا:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ فِيْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ))

''دنیا میں اس طرح رہ جیسے تو ایک اجنبی ہو یا ایک راہ چلتا مسافر اور (انجام کی فکر کرتے ہوئے) اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کر۔''

پھر مجھ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب تو صبح کرے تو اپنے نفس کو شام کے انتظار میں مت لگا اور جب تو شام کرے تو اپنے نفس کو صبح کے انتظار میں مصروف نہ رکھ اور اپنی صحت اور زندگی میں مرض اور موت کی تیاری رکھ، کیونکہ اے عبداللہ! تو نہیں جانتا کہ کل تیرا شمار کن میں ہوگا (زندوں میں یا مردوں میں)۔ ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ)) ❸

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، سنن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: كن فی الدنيا كانّك غريب: ٦٤١٦۔

❷ سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی قصر الامل: ٢٣٣٣۔

❸ سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع: ٢٤٥٩؛ رواه ابن ماجه كتاب الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له: ٤٢٦٠؛ قال الحافظ زبير على زئی رحمہ اللہ: اسناده ضعيف۔

"عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو فرمانبردار رکھے اور اس وقت کے لیے عمل کرے جو موت کے بعد ہوگا اور عاجز و بے بس ہے وہ شخص جو اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگا رہا اور اس نے اللہ پر بے بنیاد امیدیں لگائیں۔"

محاسبۂ نفس

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلُ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَ تَزَيَّنُوْا لِلْعَرْضِ الْاَكْبَرِ، وَ اِنَّمَا يُخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ فِي الدُّنْيَا)) [1]

"اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اپنا محاسبہ خود کر لو اور اللہ کے سامنے حاضر ہونے کے لیے اچھے اعمال کے ساتھ خود کو تیار رکھو یقیناً قیامت کے دِن اس شخص کا حساب آسان ہوگا جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کر لیا۔"

اسی طرح میمون بن مہران سے بھی مروی ہے:

((لَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ تَقِيًّا حَتّٰى يُحَاسِبُ نَفْسَهٗ كَمَا يُحَاسِبُ شَرِيْكَهٗ مِنْ اَيْنَ مَطْعَمُهٗ وَ مَلْبَسُهٗ)) [2]

"تب تک کوئی شخص متقی نہیں ہوسکتا جب تک اپنا محاسبہ ایسے نہ کرے جیسے اپنے شریک سے پوچھ گچھ کرتا ہے کہ اس کا کھانا اور لباس کہاں سے آیا۔"

اور ایک صحیح حدیث میں ہے، جب جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

---

[1] سنن الترمذي ، كتاب صفة القيامة و الرقائق والورع: ٢٤٥٩؛ قال الحافظ زبير علی زئی رحمہ اللہ: رواه ابن ابی الدنيا باسناد ضعيف۔

[2] سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع: ٢٤٥٩

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) [1]

''احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے (بالیقین) دیکھ رہا ہے۔''

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ، يَأْكُلُ مِنْهَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ وَ إِنَّ الْآخِرَةَ وَعْدٌ صَادِقٌ، يَحْكُمُ فِيهَا مَلِكٌ قَادِرٌ، يُحِقُّ فِيهَا الْحَقَّ، وَيُبْطِلُ الْبَاطِلَ، أَيُّهَا النَّاسُ، كُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الْآخِرَةِ، وَلَا تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا، فَإِنَّ كُلَّ أُمٍّ يَتْبَعُهَا وَلَدُهَا)) [2]

''اے لوگو! یقیناً دنیا ایک جلد حاصل ہونے والا فائدہ ہے، جس سے ہر نیک و بد مستفید ہوتا ہے، اور آخرت ایک سچا وعدہ ہے جس میں قادر بادشاہ فیصلہ کرے گا اور حق کو حق اور باطل کو باطل کر دے گا، اے لوگو! تم آخرت کے لیے جد و جہد کرنے والوں میں سے ہو جاؤ، اور دنیا کو چاہنے والے نہ بنو کیونکہ اولاد اپنی ماں ہی کی پیروی کیا کرتی ہے۔''

ہماری زندگیوں میں موت ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، خواہ وہ مسلمان ہے یا کافر۔ اس دنیا میں ابدی حیات محال ہے اس حقیقت کی شاہد ہر گوشۂ ارض پر موجود وہ مٹی ہے جو ہر مرنے والے کو اپنی گود میں چھپا لیتی ہے۔

باوجود اس کے کہ ہر انسان موت کو ایک ثابت شدہ حقیقت سمجھتا ہے، اور ہر گھڑی اس کی آمد کا قائل ہے، پھر بھی وہ موت کے لیے کما حقہ تیاری نہیں رکھتا اور موت کے واقع ہو جانے کا منتظر رہتا ہے۔

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الايمان، باب سؤال جبريل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: ٥٠؛ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الإسلام ماهو و بيان خصاله: ١٠۔

[2] حلية الاولياء: ١/٢٦٥؛ مسند الشافعي: ٤٢٩؛ المعجم الكبير للطبرانی: ٧/٢٨٨: وقال الحافظ زبير على زئی رحمہ اللہ فی تحقيق المشكوٰة: اسناده ضعيف جدًا، مشكوٰة: ٥٢١٧۔

حقیقت سے آنکھیں پھیرنا

سوچ کے انداز بدل جاتے ہیں ورنہ
آنچل بھی اسی تار سے بنتا ہے کفن بھی

کتنے ہی مسلمان ہیں جو آسائشوں سے بھرپور لمبی زندگی گزارتے ہیں کہ جیسے انہوں نے ہمیشہ اس دنیا میں رہنا ہو، پھر موت انہیں یوں آدبوچتی ہے کہ ان کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اور کتنے ہی مسلمان ایسے ہیں جو دنیا کے عیش وعشرت اور گناہوں میں یوں غرق ہیں کہ جیسے ان کو یقین ہو کہ وہ موت سے سلامت رہیں گے، پس ناگہاں انہیں موت آلیتی ہے اور زمین انہیں اپنے پیٹ میں بھر لیتی ہے۔

ہم میں بہت سے ایسے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ ''اے جہاں مٹھا، اگلا کنے ڈِٹھا'' اور خواہشات کے سمندر اور دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر یہ تصور کر بیٹھتے ہیں کہ موت تو بیمار یا عمر رسیدہ لوگوں کو آتی ہے اور وہ اِس خوابِ غفلت سے تب جاگتے ہیں جب کسی صحیح وسالم یا کم سن بچے کو موت کے دامن میں دیکھتے ہیں۔

یہ اشعار جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں اور ایک لمبی نظم سے لیے گئے ہیں اِسی حقیقت کے عکاس ہیں:

تُؤَمِّلُ فِي الدُّنْيَا طُوْلاً وَلاَتَدْرِيْ
اِذَا جَنَّ لَيْلٌ هَلْ تَعِيْشُ اِلَى الْفَجْرِ

فَكَمْ مِنْ صَحِيْحٍ مَاتَ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ
وَكَمْ مِنْ عَلِيْلٍ عَاشَ دَهْرًا اِلَى دَهْرٍ

وَكَمْ مِنْ فَتًى يُمْسِيْ وَ يُصْبِحُ آمِنًا
وَقَدْ نُسِجَتْ أَكْفَانُهُ وَهُوَ لَا يَدْرِيْ

① تو دنیا میں لمبی امیدیں لگائے بیٹھا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جب رات ہو جائے تو کیا تو فجر تک زندہ رہے گا یا نہیں۔

② کتنے ہی ایسے ہیں جو بیماری کے بغیر ہی فوت ہو چکے ہیں اور کتنے ہی بیمار ایسے ہیں جو لمبے عرصے تک زندہ رہتے ہیں۔

③ کتنے ہی ایسے نوجوان ہیں جو پرسکون حالت میں صبح وشام گزارتے ہیں مگر اتنا نہیں جانتے کہ ان کے کفن تو تیار بھی ہو چکے ہیں۔

طولِ حیات قربِ موت ہے

سالگرہ کی تقریبات منعقد کرنا کیسا احمقانہ فعل ہے، ایک انسان اپنی سالگرہ پر خوشی سے شمعیں جلاتا ہے اور تحائف وصول کرتا ہے حالانکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ یہ سالگرہ اس کو موت کے قریب لے جارہی ہے۔ عقلمند تو وہ ہے جو اپنی سالگرہ کا دِن افسوس کرنے کے لیے یاد رکھے، کیونکہ عمر جب بڑھتی ہے تو درحقیقت کم ہوتی جاتی ہے اور ہر گزرنے والا دِن ہمیں موت کے قریب تر کر دیتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے اپنی موت کے وقت سچ کہا تھا:

یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّمَا اَنْتَ اَیَّامٌ، فَاِذَا ذَهَبَ یَوْمٌ ذَهَبَ بَعْضُكَ۔ [1]

”اے ابن آدم! تو دِنوں کی مانند ہے، جب ایک دِن گزرتا ہے تو تیرا ایک حصہ ختم ہو جاتا ہے۔“

جب تک آخرت پر یقین نہ ہو ایمان کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ موت آخرت کی طرف لے جانے والا واضح راستہ ہے۔ آخرت، جس کی زندگی ابدی ہے! آخرت، جس میں آخری ٹھکانہ مقرر کر دیا جائے گا، جنت، یا جہنم۔ پس جو موت سے تو خائف رہتا ہے مگر اِس بات سے نہیں ڈرتا کہ موت کے آتے ہی مہلت ختم ہو جائے گی۔ وہ نہ تو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور نہ آخرت کا ایسا تصور ہی ذہن میں رکھتا ہے جو کسی بھی لمحے اِس دنیا سے کوچ کر جانے کے لیے اُسے تیار رکھے۔ ایسا خوف وایمان کارگر نہیں۔ ایسا ایمان تب اثر نہ کرے گا جب اچانک موت آجانے سے وہ نادم وپشیمان ہوگا۔ کیونکہ اس نے اِس کٹھن وقت کے لیے اپنی زندگی میں نہ تو کوشش کی اور نہ تیاری اور اب وہ چاہتا ہے کہ گزرے ہوئے وقت کی طرف پلٹ

---

[1] وفیات الأعیان: ۱/ ۲۸٦، اور رابعہ نے سفیان سے یہ الفاظ کہے تھے: ”إِنَّمَا أَنْتَ أَیَّامٌ فَإِذَا ذَهَبَ یَوْمٌ ذَهَبَ بِعْضُكَ“

جائے تاکہ موت کی سختیاں اور علامات، جو اس نے سنیں یا مشاہدہ کیا، جب ان کا اثر زائل ہو تو وہ دوبارہ اللہ کی نافرمانی پر اتر آئے۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا خطبہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری خطبہ میں فرمایا: یقیناً اللہ نے تمہیں دنیا اس لیے عطا کی ہے تا کہ تم اس کے ذریعے آخرت کو طلب کرو نہ کہ اس لیے کہ تم اسی کی طرف مائل ہو کر رہ جاؤ۔ یقیناً دنیا فانی ہے اور آخرت ابدی ہے۔ لہٰذا ایسا نہ ہو کہ خفا ہو جانے والی شے تمہیں بقا والی حیات سے مشغول کر دے اور پھر تم فانی چیز کو باقی رہنے والی پر ترجیح دینے لگو۔ یہ دنیا بالآخر ختم ہو جائے گی اور آخری ٹھکانہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب و تحریض

موت ہمیں آخرت کی یاد دلاتی ہے پس جو نصیحت حاصل کرنے والا ہے اس کے لیے تو اس کا ذکر ایک نعمت سے کم نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے تو فرمایا ہے:

((اَكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ)) [2]

''کثرت سے اسے یاد کرو جو لذات کو ختم کر دے گی (یعنی موت)۔''

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

((لَوْ تَعْلَمُ الْبَهَائِمُ مِنَ الْمَوْتِ مَا يَعْلَمُ ابْنُ آدَمَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْهَا سَمِيْنًا)) [3]

''اگر چوپائے موت کے بارے میں وہ کچھ جان لیں جو انسان جانتا ہے تو تمہیں کوئی فربہ جانور کھانے کو نہ ملے۔''

---

[1] شعب الایمان: ۱۳/ ۱۷۱، طبع مکتبہ الرشد۔

[2] سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب ماجاء في ذكر الموت: ۲۳۰۷؛ سنن ابی ماجه: ۴۲۵۸؛ قال الحافظ زبير على زئى رحمه الله: اسناده حسن۔

[3] المعجم لابن الأعرابی: ۱/۲۴، قال الشيخ الالبانی رحمه الله: ضعيف جدًا (السلسلة الضعيفة: ۴۳۵۳)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے دس افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ایک انصاری نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! بتایئے لوگوں میں سے عقلمند اور سعادت مند کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ، وَ أَشَدُّهُمْ اِسْتِعْدَادًا لَهُ، أُولٰئِكَ هُمُ الْأَكْيَاسُ، ذَهَبُوا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ)) [1]

''جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والے ہوں اور سب سے بڑھ کر اس کی تیاری کرنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جو سب سے بڑھ کر دانا ہیں اور دنیاوی اور اُخروی عزت وشرف کے حقدار ہیں۔''

موت کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا وعظ

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک خطبہ میں فرمایا: ہر سفر کے لیے زادِ راہ لازم ہے لہٰذا تم دنیا سے آخرت کی طرف سفر کے لیے زادِ راہ (تقویٰ) تیار رکھو۔ تم ایسے رہو جیسے تم نے اللہ کے تیار کردہ ثواب وعقاب کو دیکھ رکھا ہے پس اس کی رغبت کرو اور اس سے خائف رہو۔ اپنی امیدوں کو طول نہ دو۔ ایسا کرنے سے تمہارے دِل سخت ہو جائیں گے اور تم اپنے دشمن کے سامنے کمزور پڑ جاؤ گے۔ اللہ کی قسم! اس شخص کی امیدیں لمبی کیسے ہو سکتی ہیں جو نہیں جانتا کہ صبح کے بعد شام اور شام کے بعد صبح دیکھ پائے گا یا نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے اِس دوران ہی موت آ لے۔ ہم میں کتنے ہی لوگ ہیں جو دنیا کے دھوکے کا شکار ہیں، یقیناً اسی کی آنکھیں ٹھنڈی رہ سکتی ہیں جسے اللہ کے عذاب سے بچنے کا یقین کامل ہو اور وہی مسرور ہو سکتا ہے جو قیامت کی ہولناکیوں سے امن میں رہے۔ وہ شخص کیسے خوش ہو سکتا ہے جو ابھی ایک زخم کی دوا نہ کر پایا ہو کہ دوسری طرف سے زخم خوردہ ہو جائے؟ میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اس بات سے کہ میں تمہیں اس بات کا حکم دوں جس سے خود باز نہیں آتا کیونکہ یہ میرے لیے گھاٹے کا سودا ہے، میرے عیوب کے اظہار کا سبب ہے اور ایسا کرنے سے اس دِن میری خستہ حالی ظاہر ہو

---

[1] المعجم الصغير للطبراني: ١٠٠٨؛ والكبير: ١٣٥٣٦؛ سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له: ٤٢٥٩؛ قال الحافظ زبير على زئی رحمہ اللہ: حسن۔

جائے گی جس دِن اصل غنی اور فقیر کا فیصلہ ہوگا،جس دِن ترازو قائم کیے جائیں گے۔تم پر ایسے کام کی مشقت ڈالی گئی ہے کہ اگر یہ مشقت ستاروں کو برداشت کرنا پڑتی تو وہ بکھر جاتے،اوراگر یہ بوجھ پہاڑوں پرڈال دیا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہوجاتے اوراگرزمین کو یہ بارِ گراں اٹھانا پڑتا تو وہ پھٹ جاتی،کیاتم نہیں جانتے کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں ٹھہرا جائے اورتم ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف جانے والے ہو۔ (1)

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اور یادِ موت

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہر رات فقہاء کو جمع کرتے اور سب مل کر موت، قیامت اور آخرت کو یاد کرتے اور یوں گریہ وزاری کرتے جیسے ان کے سامنے میت رکھی ہوئی ہو۔ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے پاس موت کا تذکرہ ہوتا تو یوں بے چین ہو جاتے جیسے پرندہ قید میں پھڑ پھڑاتا ہے،اور پھراس قدرروتے کہ ان کے آنسوان کی داڑھی کو تر کردیتے۔ایک رات آپ رورہے تھے کہ گھر والے بھی آپ کو دیکھ کررونے لگے،پھرجب غم کچھ ہلکا ہوا تو ان کی بیوی فاطمہ کہنے لگیں:اے امیر المومنین! آپ پر میرے باپ فدا ہوں،آپ کو کس چیز نے اس قدر رُلایا؟ آپ نے جواب دیا: مجھے لوگوں کا اللہ کے سامنے حاضر ہونا یاد آ گیا تھا،جب ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم میں چلا جائے گا۔پھر چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ (2)

ایک شاعر نے اس دِن کی ہولناکی اور وحشت کی منظر کشی یوں کی ہے۔

عجب چیز ہے اے دوست عالم حشر
بڑا ہجوم ہے پھر بھی ہے ہر بشر تنہا!

موت کا ذکر آخرت کی یاددلاتا ہےاوراس میں غور وفکراورعبرت کا بہت سامان ہے۔

ایک مرتبہ حسن بصری رحمہ اللہ ایک ایسے شخص کے پاس گئے جو زندگی کے آخری لمحات میں تھا، کہنے لگے:اِس دنیا کا معاملہ اسی لائق ہے کہ اس کے انجام سے ڈرا جائے،اوراس کا انجام ایسا ہونا چاہیے کہ گزرے ہوئے وقت سے بے رغبتی ہو (یعنی موت کے وقت زندگی کی طرف

---

(1) احیاء علوم الدین: ٤/ ٤٥٤۔ (2) صفوة الصفوة:٢/ ١٢١۔

پلٹ جانے کی حسرت نہ ہو)۔ [1]

اور جو یہ بات ذہن نشین رکھے کہ اس کی اخروی حیات کسی بھی لمحے شروع ہوسکتی ہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ ہر قسم کی تیاری رکھے۔ جب احمد بن خضرویہ کی وفات کا وقت قریب تھا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا: میرے بیٹے! ایسا دروازہ جسے میں انسٹھ سال تک کھٹکھٹاتا رہا ہوں وہ آج کھلنے جا رہا ہے اور میں نہیں جانتا کہ سعادت کے ساتھ کھلے گا یا بدبختی کے ساتھ۔ [2]

ایک صالح انسان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس کی بیوی رونے لگی، اس نے بیوی سے پوچھا: کس لیے روتی ہو؟ بیوی نے جواب دیا: مجھے آپ کی حالت پر رونا آ رہا ہے۔ اِس نے بیوی سے کہا: اگر تو رونا چاہتی ہے تو اپنی حالت پر رو! کیونکہ میں تو اپنے اس دِن کے لیے ۴۰ چالیس سال تک رو یا ہوں۔ [3]

کیا آپ تیار ہیں؟

معزز قارئین، سوچیے! اگر آپ کو دور کا سفر درپیش ہو تو کیا آپ اس کی تیاری میں سستی اور لا پروائی سے کام لیں گے؟ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اس کی دو وجوہات ہیں: یا تو وہ سفر بہت آسان ہے اور آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، یا ایسا ہے کہ آپ کم کوش ہیں اور جان بوجھ کر اناڑی پن کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور وقت کی آپ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔

موت ایک ایسا سفر ہے جس پر ہم سب ایسا ایمان رکھتے ہیں جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم شاعر کے اِس قول سے اختلاف نہیں کر سکتے۔

اَلْمَوْتُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا
وَالْمَوْتُ قَدْحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا

''موت ایک ایسا دروازہ ہے جس میں ہر شخص داخل ہونے والا ہے اور موت ایک ایسا پیالہ ہے جسے ہر فرد (ایک نہ ایک دِن) پینے والا ہے۔''

---

[1] العاقبة في ذكر الموت: ١/ ١١٣۔ [2] ايضًا: ١/١٣٨۔
[3] احياء علوم الدين: ٤/ ٤٨٣۔

ہر گزرنے والا دِن ہمیں موت سے قریب تر کر دیتا ہے۔ جو اپنی عمر کے تیس سال گزار چکا ہے وہ موت سے تیس سال قریب ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح جو ساٹھ سال گزارتا ہے وہ ساٹھ سال موت کے قریب ہو جاتا ہے۔ ہم میں سے کون ہے جو ایسے سفر کی مکمل تیاری رکھے جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ کب شروع ہو جائے گا اور اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ اور کون ہے جس نے ایسے کوچ کے لیے کمر باندھ رکھی ہے جو ابھی، آج..... کل یا اس کے بعد کبھی بھی ہو جائے گا؟ فقط انسان کے دو سانس ہی تو ہیں جن میں سے ایک وہ خارج کرتا ہے اور ایک اندر لے جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اِن دو سانسوں میں سے کس کے ساتھ روح پرواز کر جائے گی؟ اے اللہ! ہم تجھ سے قیامت کے دِن کی سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

یقیناً موت ایک ایسی نصیحت ہے جس کے اثر پذیر ہونے کے لیے اپنے نفس کا محاسبہ اور اِس پر کڑی نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ ربیع بن خثیم نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی، وہ جب اپنے دِل میں کچھ سختی محسوس کرتے تو کچھ دیر اس قبر میں جا لیٹتے پھر کہتے:

﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝﴾ [1]

''اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے تاکہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کر لوں، ہرگز ایسا نہیں ہونے والا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کے یہ قائل ہیں ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دِن تک۔''

اِن آیات کو بار بار دھراتے اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے: اے ربیع! جا، تجھے لوٹا دیا گیا ہے، اب عمل کر۔ [2]

موت سے نصیحت حاصل کرنا یہ نہیں کہ کسی قریب الموت کے پاس بیٹھ کر گریہ وزاری کر لی جائے اور روتے ہوئے اپنے آپ کو ملامت کی جائے یا کسی میت کے پاس یا قبروں کی زیارت کے وقت ایسا اظہار کیا جائے۔ بلکہ موت سے نصیحت حاصل کرنے کا مطلب یہ

---

[1] ٢٣/المومنون: ٩٩، ١٠٠۔ [2] احياء علوم الدين: ٤/ ٤٨٦۔

ہے کہ مومن یہ تصور پختہ رکھے کہ کسی بھی لمحہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے گا اور عنقریب عمل کی راہیں معدوم اور توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے، اسے چاہیے کہ کامل ہوش مندی سے اللہ کی اطاعت میں لگا رہے اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ رب سے ڈرتے ہوئے گزارے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک باغ میں داخل ہوئے، میں نے دیوار کی اوٹ سے سنا تو وہ اپنے آپ سے مخاطب تھے اور کہہ رہے تھے: اے عمر بن خطاب! اے امیر المومنین! آفرین، آفرین! تجھے چاہیے کہ لازماً اللہ سے ڈرتا رہ، ورنہ عذاب سے دوچار کر دیا جائے گا۔ [1]

ہشیار کہ تیری راہ سفر آسان بھی ہے دشوار بھی ہے
اس راہ میں کتنے اہل خرد پاؤں کو تھکائے بیٹھے ہیں

کہا جاتا ہے: جس نے اللہ کے بارے میں اپنے نفس کی ڈانٹ ڈپٹ کی اور اس سے بغض رکھا اللہ اس کو اپنے غیض وغضب سے محفوظ رکھے گا۔ [2]

اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور اسے کڑی نگاہ میں رکھنا کہ کہیں پھسل نہ جائے، اللہ کے عذاب سے مومن کی نجات کا باعث ہے۔ وہ اِس بات کا عزم پختہ رکھتا ہے کہ جب اللہ سے ملے تو فرمانبردار اور اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اور اس کی اطاعت کا التزام کرتے ہوئے، پھر وہ اس راہِ عمل میں نہ تو اکتاتا ہے، نہ تھکتا ہے، نہ مایوس ہوتا ہے۔ بلکہ دنیا کی آزمائش اور مصائب برداشت کرتے ہوئے، مخلوق سے بے رغبت اور خالق کی رحمتوں کی طرف رغبت کرتے ہوئے اللہ کے رستے پر چلتا رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ [3]

''اللہ جس کو ہدایت دینا چاہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں۔''

---

[1] ذم الهوىٰ: ١/ ٤١؛ احياء علوم الدين: ٤/ ٤٠٥۔
[2] حلية الاولياء: ٨/ ١٠٤، یہ قول ابوبکر صدیق اور فضیل بن عیاض کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔
[3] ٦/الانعام: ١٢٥۔

تو فرمایا:

((اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ))

”یقیناً نورِ ہدایت جب سینے میں داخل ہو جائے تو بڑھتا اور پھیلتا ہے۔“

اس پر آپ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس کی کوئی علامت ہے جس سے یہ پہچان لیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((نَعَمْ! اَلتَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ، وَالْاِنَابَةِ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ، وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ)) [1]

”ہاں! دھوکے کے گھر (دنیا) سے بے رغبت رہنا، ہمیشگی کے گھر (آخرت) کی طرف رغبت رکھنا اور موت کے آ جانے سے پہلے ہی اس کی تیاری کرنا۔“

سیدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [2]

”جس نے موت اور حیات کو اِس لیے پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔“

اس آیت کا مطلب ہے کہ تم میں سے کون ہے موت کو سب سے بڑھ کر یاد کرنے والا، اور بھرپور انداز میں اس کی تیاری کرنے والا اور اللہ سے سب سے بڑھ کر خوف کھانے والا ہے؟

پس اے مسلمان! جن امور کا اللہ نے تجھے مکلف بنایا ہے کیا تو نے اپنے نفس کو ان کے لیے تیار کر رکھا ہے؟ کیا کبھی اپنے نفس سے تو نے یہ سوال کیا کہ آیا اس نے اللہ کا حق ادا کر دیا یا اس میں کوتاہی برتی؟ کیا تجھے یقین ہے کہ تو لوگوں میں سے سب سے زیادہ موت کی فکر اور اس کے لیے تیاری کرنے والا ہے؟ کیا تو نے سوچا کہ اِس دور کے لوگوں میں سب سے بڑھ کر تو ہی اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والا اور اسے اللہ کے اوامر و نواہی پر کاربند رہنے پر مجبور کرنے والا ہے؟ اور جن سوالات کا بوجھ تیری گردن پر ہے کیا تو نے ان کے جواب تیار کر رکھے ہیں؟

---

[1] شعب الایمان للبیهقی: ۱۳/ ۱۳۳، ۱۰۰۶۸، طبع مکتبه الرشد وقال الحافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ: اسناده ضعیف جدًا (مشکوٰۃ بتحقیقه: ۵۲۲۸)۔

[2] ٦٧/الملك: ۲۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آہ وزاریاں

معزز قارئین! رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والے اور لوگوں میں سے اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ رونے والے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ایک دن کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ بوڑھے ہوتے جارہے ہیں! اس پر آپ نے فرمایا:

((شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَ أَخَوَاتُهَا: الْوَاقِعَةُ، عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ، وَ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ)) ❶

''مجھے ھود اور اس جیسی دوسری صورتوں الْوَاقِعَةُ، عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ، وَ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ نے بوڑھا کردیا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ کوئی شخص قرآن کی یہ آیت تلاوت کررہا ہے:

﴿إِنَّ لَدَيْنَآ أَنكَالًا وَّجَحِيمًا ۝﴾ ❷

''یقیناً ہمارے پاس سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے۔''

تو آپ ﷺ شدتِ خوف سے بے ہوش ہوگئے۔ ❸

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۝ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝﴾ ❹

''پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ اور ہنس رہے ہو اور روتے نہیں۔''

تو اہل صفہ اس قدر روئے کہ ان کے رخساروں پر آنسو جاری ہوگئے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی آہ وزاری سنی تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ رونے لگ گئے، آپ کو دیکھ کر تمام صحابہ رو پڑے، پھر آپ نے فرمایا:

---

❶ سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب سورة الواقعة، ٣٢٩٧؛ صححه الحافظ زبير علی زئی رحمہ اللہ۔

❷ ٧٣/المزمل: ١٢۔ ❸ الزهد لهناد، ح: ٢٦٧۔ ❹ ٥٣/النجم: ٥٩، ٦٠۔

((لَا يَلِجُ النَّارَ مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُصِرٌّ عَلَى مَعْصِيَةٍ، وَلَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَجَاءَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ)) [1]

''جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ جہنم کی آگ میں داخل نہیں ہو سکتا، اور جو اس کی نافرمانی (اور گناہوں) پر ڈٹا رہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے گی اور (پھر معافی طلب کرنے پر) وہ اسے معاف فرما دے گا۔''

محترم قارئین! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حق کے معاملہ میں بہت سخت اور جسمانی لحاظ سے نہایت طاقتور ہونے کے باوجود اللہ کی آیات سن کر فوراً جھک جایا کرتے تھے اور جب آخرت کو یاد کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ آپ نے اپنی مہر پر لکھوا رکھا تھا: كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا يَا عُمَرُ (اے عمر! نصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، انبیائے کرام کے بعد کائنات کے بہترین انسان ہیں اللہ نے اُن کی تعریف اِن الفاظ میں کی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۠﴾ [2]

---

[1] یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ شعب الایمان میں ہے۔ حدیث نمبر: ۷۷۷؛ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے (السلسلة الضعيفة: ٦٦٩٥)۔ البتہ حدیث میں موجود تین فقروں میں سے پہلا فقرہ، لا يلج النار من بكى من خشية الله، صحیح سند سے ثابت ہے (ترمذی: ۱۶۳۳) اور تیسرے فقرے ولو لم تذنبوا...... کے لیے دیکھیے: صحیح مسلم: ۲۷۴۹۔

[2] ٤٨/الفتح: ٢٩۔

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں۔ تو دیکھے گا کہ رکوع اور سجود کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ظاہر ہے، ان کی یہی صفت تورات میں ہے اور یہی صفت انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنی جڑ پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائے، ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوبیاں سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زبانی

صحابہ رضی اللہ عنہم ہی وہ راہنما لوگ تھے جو دینِ اسلام پر قائم رہے اور اسے پھیلانے کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد کیا حتی کہ اپنے رب سے جا ملے۔ یہ رات کو راہب ہوتے اور دِن کو شہسوار۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا: اللہ کی قسم! میں نے محمد ﷺ کے صحابہ جیسے لوگ آج تک نہیں دیکھے، وہ صبح کرتے تو ان کے بال بکھرے ہوئے پراگندہ ہوتے اور رات کو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے، وہ کبھی پیشانیوں کے بل سجدوں میں گرے رہتے اور کبھی قیام کی حالت میں اپنے پاؤں تھکا دیتے، جب صبح ہوتی تو بھی وہ اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے، مشقت سے ان کے بدن یوں جھکے رہتے جیسے تیز ہوا میں درخت جھک جاتے ہیں اور اللہ کے خوف کے باعث ان کی آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری رہتے کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے ہیں مگر اللہ کی قسم! آج لوگوں کی راتیں غفلت میں گزر جاتی ہیں۔ [1]

اے مسلمان! تو ان کی پیروی کیوں نہیں کرتا اور ان کے حالات سے نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتا اور ایسے عمل کیوں نہیں کرتا کہ آخرت میں سید البشر رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی صحبت نصیب ہو؟

---

[1] احیاء علوم الدین: ٤/ ١٨٤۔

حسن بصری رحمہ اللہ کی نصیحت

ابوعبیدہ کہتے ہیں: ہم حسن بصری کے مرض الموت میں ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: خوش آمدید! تمہارا آنا مبارک ہو، اللہ نے تمہیں اسلام کے ساتھ سعادت بخشی ہے اور ہم سب کو رہنے کے لیے جگہ عطا کی ہے۔ اگر تم صبر کرو اور سچائی کی راہ پر چلو اور تقویٰ اختیار کرو تو دنیا کی اِن باتوں میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ تم پر رحم کرے! اگر تم اس کان سے سن کر دوسرے سے نکال دو تو جس نے محمد ﷺ کو دیکھا ہے وہ ان کے شب و روز کے معمولات کو خوب جانتا ہے، انہوں نے بلند و بالا عمارتیں کھڑی نہیں کیں بلکہ ان کو علم کی بلندی عطا کی گئی اور وہ اس کی طرف لپکے۔ بھلائی کی طرف جلدی کرو تاکہ تمہیں نجات حاصل ہو۔ اللہ ایسے بندے پر رحم کرے جس نے فقط آخرت کے عیش و آرام کو ترجیح دی، روکھی سوکھی کھائی، پھٹا پرانا لباس پہنا، زمین پر قرار پکڑا، عبادت میں کوشش کی، اپنی خطاؤں پر روتا رہا، اللہ کے عذاب سے ڈر کر اس سے دور بھاگتا رہا اور اپنی موت تک اللہ کی رحمت کا متلاشی رہا۔ ❶

اگرچہ دنیا کا متاع قلیل ہے لیکن اس کا فتنہ گمراہ کن ہے، اور یہ اکثر اوقات مومن کو اس کی آخرت سے مشغول کر دیتی ہے، اگر وہ اس کے کھیل تماشے میں مصروف ہو جائے تو آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ ❷

---

❶ حلیة الاولیاء۔ ❷ ۵۷/الحدید: ۲۰، ۲۱۔

''خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ، زینت اور آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ فصل خشک ہو جاتی ہے تو زرد دکھائی دینے لگتی ہے، پھر وہ بالکل چورہ چورہ ہو جاتی ہے (یہی دنیا کا انجام ہے) اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی رضا مندی اور مغفرت ہے اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے اسباب کے اور کچھ بھی تو نہیں ہے۔ آؤ! دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

ایک مخلص ساتھی

موت ایک مخلص ساتھی ہے جو ہمیشہ مومن کو آخرت کی یاد دلاتی رہتی ہے۔ جب تک مومن اپنی آخرت کو یاد کرتا رہتا ہے وہ بھلائی میں رہتا ہے اور یوں وہ اپنی دنیاوی زندگی اخروی حساب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی تیاری میں گزارتا ہے۔ اِسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے موت کو یاد کرنے کی ترغیب دلائی ہے جیسے انہوں نے قبروں کی زیارت کرنے اور ان پر سلام بھیجنے کی ترغیب دلائی ہے کیونکہ اِس سے بہتر وعظ و نصیحت کرنے والا کوئی نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((زُرِ الْقُبُوْرَ تَذْكُرْبِهَا الْآخِرَةَ، وَاغْسِلِ الْمَوْتَى، فَإِنَّ مُعَالَجَةَ جَسَدٍ خَاوٍ مَوْعِظَةٌ بَلِيْغَةٌ، وَصَلِّ عَلَى الْجَنَائِزِ لَعَلَّ ذٰلِكَ أَنْ يُحْزِنَكَ فَإِنَّ الْحَزِيْنَ فِي ظِلِّ اللّٰهِ)) [1]

''قبروں کی زیارت کرو اِس سے آخرت کی یاد آئے گی، اور مُردوں کو غسل دو کیونکہ خالی (بے جان) جسم کو سنبھالنا ایک مؤثر نصیحت ہے اور نماز جنازہ

---

[1] المستدرك للحاكم: ١/ ٣٧٧، ٤/ ٣٣٠؛ ضعفه الشيخ الالباني رحمه الله في الضعيفة: ٣٦٦٣۔

پڑھا کر شاید کہ تم غمزدہ ہو جاؤ، یقیناً غمگین اللہ کے سایۂ رحمت میں ہوتا ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((زُوْرُوْا الْقُبُوْرَ، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الآخِرَةَ)) ❶

''قبروں کی زیارت کیا کرو۔ یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہے۔''

لوگوں کے مختلف طرزِ عمل

امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب جنازہ دیکھتے تو کہتے: تم چلو یقیناً ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ مکحول دمشقی جب کسی جنازہ کے پاس ہوتے تو کہتے: تم صبح کو چلو، ہم شام کو تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ موت ایک کامل وعظ ہے مگر جلد ہی ہم اس سے غافل ہو جاتے ہیں، اول وآخر سب ہی چلے جائیں گے لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں جب کبھی جنازہ دیکھتا ہوں تو میرے نفس میں کوئی خیال نہیں آتا سوائے اِس کے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور اس کا ٹھکانہ کہاں ہے۔ جب مالک بن دینار کے بھائی نے وفات پائی تو وہ رونے لگے اور کہا: اللہ کی قسم! میں تب تک مسرور نہیں ہو سکتا جب تک میں جان نہ لوں کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، اور میں نہیں جانتا کہ کب تک زندہ رہ پاؤں گا۔ اعمش کہتے ہیں: ہم جنازے کو دیکھتے تو یہ سمجھ نہ پاتے کہ ایسے غم میں کس کو تسلی دیں جس نے سب کو گھیر رکھا ہے۔ ثابت بنانی کا کہنا ہے: ہم جب کسی جنازہ کے پاس ہوتے تو ہر کوئی سر جھکائے رو رہا ہوتا۔

یہ حالت تھی ان کے خوف کی جو وہ موت کی وجہ سے محسوس کرتے۔ اور آج ہم جنازہ میں حاضر ہونے والے لوگوں کو دیکھیں تو ان میں سے اکثر ہنس رہے ہوتے ہیں اور لغویات میں مشغول ہوتے ہیں۔ ❷ وہ اگر بات کرتے ہیں تو اس کے ترکہ اور وراثت کی، اور اس

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربه عز و جل فی زیارة قبر امه، ۱۰۸/ ۹۷۶، سنن ابن ماجه: ۱۵۶۹ واللفظ له

❷ لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ قریبی رشتہ دار کو دفنانے کے بعد اس کے مال کا حساب لگانا شروع کر دیتے ہیں اور ایک اجنبی جس کی میت سے کوئی جان پہچان نہیں ہوتی وہ خوف وعبرت کے مارے رو رہا ہوتا ہے۔

کے اقرباء بھی اِسی فکر میں ہوتے ہیں کہ اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد کون، کتنی لے گا۔ بہت ہی کم لوگ اپنے نفس اور اپنی موت کی فکر کرتے ہیں۔ جس حد تک ہمارے دِل سخت ہو چکے ہیں اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی اور گناہ ہیں جس کے سبب سے ہم اللہ اور قیامت کے دن کو بھی فراموش کر چکے ہیں اور ان ہولناکیوں سے غافل ہیں جو ہمیں درپیش ہیں۔ ہم ایسے کاموں میں مشغول ومصروف ہیں جن میں ہمارا کوئی مفاد نہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اِس غفلت سے ہمیں بیدار کردے۔ (آمین)

يَبْكِي الْغَرِيْبُ عَلَيْهِ لَيْسَ يَعْرِفُهُ ... وَذُوْ قَرَابَتِهِ فِي الْحَيِّ مَسْرُوْرٌ

ایسا اجنبی جو فوت ہونے والے کو نہیں جانتا وہ اس کے مرنے پر آنسو بہا رہا ہوتا ہے اور رشتہ دار خوش وخرم ہوتے ہیں۔

میت کے پاس موجود لوگوں میں سے بہتر ان کو خیال کیا جاتا ہے جو میت پر رو رہے ہوتے ہیں حالانکہ اگر وہ شعور رکھیں تو اپنے آپ پر روئیں نہ کہ میت پر، ابراہیم الزیات نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو میت کی بے چارگی پر افسوس کا اظہار کر رہے تھے تو کہا: اگر تم اپنی حالت پر افسوس کرتے تو بہتر ہوتا کیونکہ مرنے والا تو تین مصیبتوں سے نجات پا چکا ہے:

1. ملک الموت کا چہرہ، جسے وہ دیکھ چکا ہے۔
2. موت کی کڑواہٹ، اُسے وہ چکھ چکا ہے۔
3. مرجانے کا خوف، یقیناً اب وہ اس سے بے خوف ہو چکا ہے۔

ابوعمر بن علاء بیان کرتے ہیں: میں جریر کے پاس بیٹھا تھا اور وہ اپنے کاتب کو شعر لکھوا رہے تھے کہ ایک جنازہ گزرا، جریر رک گئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے ان جنازوں نے بوڑھا کر دیا ہے، پھر یہ شعر کہا:

تُرَوِّعُنَا الْجَنَائِزُ مُقْبِلَاتٍ ... وَنَلْهُو حِيْنَ تَذْهَبُ مُدْبِرَاتٍ

جب جنازہ آ رہا ہوتا ہے تو ہم خوف وگھبراہٹ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جیسے ہی وہ گزر جاتا ہے ہم پھر سے کھیل تماشے میں مگن ہو جاتے ہیں۔

ضحاک رحمہ اللہ حدیث روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے سوال کیا: اے

اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں میں سے سب سے بڑھ کر زاہد کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَنْسَ الْقَبْرَ، وَ تَرَكَ فَضْلَ زِيْنَةِ الدُّنْيَا، وَ آثَرَ مَا يَبْقَى عَلَى مَا يَفْنَى، وَ لَمْ يَعُدَّ غَدًا مِنْ اَيَّامِهِ، وَ عَدَّ نَفْسَهُ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ)) [1]

''جو قبر کو نہ بھولے، اور دنیا کی فضول زیب و زیبائش کو چھوڑ دے۔ اور بقا والی آخرت کو فنا ہو جانے والی دنیا پر ترجیح دے، اور آنے والے کل کو اپنی زندگی کا حصہ نہ سمجھے، اور اپنے نفس کو اہل قبور میں شمار کرے۔''

سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا خطبہ

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے، جب میت کو لحد میں اتارا گیا تو گھر والے چیخ پکار کرنے لگے اور دوسرے لوگ بھی رونے لگے، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کیوں رو رہے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر لوگ ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیں جس کا مشاہدہ مرنے والا کر چکا ہے تو وہ اپنے مرنے والے عزیز سے غافل ہو جائیں، یقیناً ملک الموت ان کے پاس بار بار آتا رہے گا حتی کہ اُن میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ پھر کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں جس نے عبرت کی خاطر تمہارے لیے مثالیں بیان کیں، اور تمہارے لیے موت کے اوقات مقرر کر دیئے اور تمہیں سماعت بخشی تا کہ تم جو نصیحت سنو اسے یاد رکھ سکو۔ اور تمہیں آنکھیں عطا کیں تا کہ پس پردہ حقیقت کو دیکھ سکو۔ اور تمہیں دِل عطا کیے تا کہ تم سمجھ سکو کہ تم پر آفت آنے کی کیا وجہ ہے؟ یقیناً اللہ نے تمہیں عبث پیدا نہیں کیا بلکہ کامل نعمتوں کی فراوانی عطا کی ہے اور آسائشوں سے تمہیں سیراب کر دیا ہے، تمہیں جو تکالیف پہنچیں اس نے ان کے بدلے میں تمہارے لیے اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے۔ اللہ کے بندو! اللہ سے ڈر جاؤ، ثواب کے حصول کی خاطر کوشاں رہو اور موت کے لیے عمل کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ اس کے آتے ہی دنیاوی

---

[1] شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۰۸۱؛ ضعّفه الشيخ الالبانى رحمه الله فى الضعيفة: ۱۲۹۲۔

حاجات منقطع ہو جائیں گی اور لذات ختم ہو جائیں گی۔ بے شک دنیا کی نعمتیں دائمی نہیں ہیں اور (بغیر موت کے) اس کی آفتوں سے چھٹکارا ممکن نہیں، یہ دنیا ایسا دھوکہ ہے جس کی حقیقت عنقریب کھل جائے گی، اس کی بنیادیں کمزور ہیں، اس کے سہارے ختم ہو جانے والے ہیں، اس کی چمک دمک جلد ہی ماند پڑ جائے گی اور اس کے پیچھے دوڑنے والا بے ثمر رہے گا۔ اے اللہ کے بندو! نصیحت حاصل کرو! اور حالات و واقعات سے عبرت پکڑو، برے انجام سے ڈرو، کیونکہ تمہاری پیدائش پانی کے حقیر قطرے سے ہوئی ہے اور آخر تم مٹی میں مل جاؤ گے۔ تمہیں صور پھونکے جانے، قبروں سے دوبارہ اٹھنے، میدان محشر میں جمع ہونے اور ایک طاقتور بادشاہ (اللہ) کے سامنے حساب دینے کی ہولناکیاں درپیش ہیں، ہر نفس کے ساتھ ایک رہنما ہو گا جو اسے محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گا اور ایک گواہ ہو گا جو اس کے ہر عمل کی گواہی دے گا۔ تب زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی، اعمال نامے کھولے جائیں گے، انبیاء و شہداء کو لایا جائے گا، پھر حق کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ میں اس دِن سے ڈرتا ہوں جب قبروں سے دوبارہ اٹھایا جائے گا، ایک پکارنے والا رب کی طرف پکارے گا، یہ دِن اللہ سے ملاقات کا دِن ہو گا اور تب پنڈلی سے پردہ ہٹا دیا جائے گا، سورج بے نور ہو گا، جانوروں کو ایک میدان میں اکٹھا کیا جائے گا۔ اس دن تمام راز فاش ہوں گے اور نافرمانوں کے لیے سامانِ ہلاکت تیار ہو گا۔ دلوں پر گھبراہٹ و اضطراب طاری ہو گا، گناہگار لوگ اللہ کی قدرت کاملہ سے ہلاک کرنے والی آگ میں اتارے جائیں گے، جس میں داخل ہوتے ہی وہ آہ و بکاہ کرنے لگیں گے، جہنم کا یہ حال ہو گا کہ وہ غیض و غضب کی حالت میں چنگھاڑ رہی ہو گی، اس کی آواز کڑک دار اور پر ہیبت ہو گی، اس کے شعلے فلک بوس اور اس کا دھواں آتشیں اور جھلسا دینے والا ہو گا، اس کی تپش اس قدر ہو گی کہ اس میں رہنے والا سانس نہیں لے پائے گا اور وہ کبھی نہ ختم ہونے والی حسرتوں میں گم ہو گا اور نہ اس کی قید کی سختیوں میں کمی ہی کی جائے گی بلکہ ہمہ وقت ایسے فرشتے اُن پر مقرر ہوں گے جو انہیں دردناک عذاب کی وعید سنائیں گے، اہل جہنم اللہ کے سایہ رحمت سے کوسوں دور، اپنے دوستوں سے جدا اور ہمیشہ جلنے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈر جاؤ کیونکہ جو اللہ کے سامنے عاجز رہا وہ کامیاب ہوگا اور جو اس کے عذاب سے خائف رہا وہ اچھی منزل کا مسافر بنے گا، اور جسے انجام بد سے ڈرایا گیا اور اس نے بصیرت سے کام لیتے ہوئے اسے چھوڑا تو فوز و فلاح اس کا مقدر ہے کیونکہ وہ نجات کا طالب رہا اور معصیت سے دور بھاگتا رہا اور اس نے اچھے اعمال کیے اور آخرت کے لیے بہترین زادِ راہ اکٹھا کیا۔ جان لو! اللہ سے بڑھ کر انتقام لینے پر کوئی قادر نہیں، وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اور انسان کے اعمال نامہ سے بڑھ کر اس کی حمایت یا مخالفت کرنے والا کوئی نہیں۔ ثواب کے طور پر جنت کا مل جانا کافی ہے اور بطور عقاب جہنم کا وبال کافی ہے، میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے بخشش کا طالب ہوں۔ [1]

صفوان بن سلیم اور قبریں

ابن محمد بیان کرتے ہیں کہ ہم صفوان بن سلیم کے ساتھ ایک جنازہ میں جا رہے تھے، ہمارے ساتھ میرے والد محترم اور ابو حازم بھی تھے، جب نمازِ جنازہ ادا کر دی گئی تو صفوان نے کہا: ''اِس (میتِ مدفون) سے اس کے اعمال کے ذرائع منقطع ہو چکے ہیں اب تو یہ اپنے پیچھے رہنے والوں کی دعاؤں کا محتاج ہے۔'' اللہ کی قسم! اس پر سارا ہجوم رو پڑا۔

ابو زہرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صفوان بن سلیم سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ مومن چاہے شدید غم و اندوہ کا شکار ہو، موت مومن کے لیے سامانِ راحت ہے۔ پھر آپ کی آنکھیں بہہ نکلیں۔

قدامہ بن محمد کہتے ہیں کہ صفوان بن سلیم اکثر بقیع قبرستان میں جایا کرتے تھے۔ ایک دِن وہ میرے پاس سے گزرے تو میں نے اپنے جی میں کہا: میں ضرور نظر رکھوں گا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک قبر پر سر جھکا کر بیٹھ گئے اور اس قدر روئے کہ مجھے ان پر ترس آنے لگا اور میں سمجھا کہ شاید یہ ان کے کسی گھر والے کی قبر ہے۔ (پھر چند دِن بعد) وہ دوبارہ میرے پاس سے گزرے تو میں نے ان کا پیچھا کیا، وہ ایک قبر پر بیٹھ گئے لیکن وہ قبر اس کے علاوہ تھی جس پر وہ ایک دِن پہلے بیٹھے تھے، پھر وہ رونے لگے۔ میں نے اس بات کا

---

[1] حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء: ١/٧٨

تذکرہ محمد بن منکدر رحمہ اللہ سے کیا اور کہا: میرا خیال ہے یہ ان کے کسی گھر والے کی قبر ہے لیکن محمد بن منکدر رحمہ اللہ مجھ سے کہنے لگے: سب قبروں والے اس کے گھر والے اور بھائی ہی تو ہیں، یقیناً صفوان ایسے آدمی ہیں کہ جب اپنے دِل میں سختی محسوس کرتے ہیں تو موت کو یاد کر کے دِل کو نرم کر لیتے ہیں۔ ❶

ابوبکر بزار اپنی مسند میں بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت فوت ہوئی جس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہنسی مذاق کرلیا کرتے تھے۔ ❷ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بارے میں کہا: اس نے تو سکون حاصل کرلیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راحت تو درحقیقت اس نے پائی ہے جس کو بخش دیا گیا ہے۔ ❸

ابو حازم کی نصیحت

سلمان بن عبدالملک نے ابو حازم سے دریافت کیا: اے ابو حازم! ہم موت کو ناپسند کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: یقیناً تم لوگوں نے اپنی دنیا کو آباد کر رکھا ہے اور اپنی آخرت کو ویران کر چھوڑا ہے اور اب تم شاد و آباد جگہ سے ویران و برباد جگہ جانا پسند نہیں کرتے۔ سلمان نے پھر پوچھا: اللہ سے ملاقات کا حال کیا ہوگا؟ تو جواب دیا: اے امیر المومنین! نیکی کرنے والا تو اس شخص کی مانند ہے جو اپنے گھر والوں سے دور رہا اور پھر فرحاں و شاداں ان سے ملا اور گناہگار کی مثال بھگوڑے غلام کی سی ہے جو اپنے مالک کے پاس خوف اور غم کی حالت میں حاضر ہوتا ہے۔

گناہوں کا شمار

ابوبکر کتانی کہتے ہیں کہ ایک مردِ صالح نے اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہا، جب انہوں نے اپنے گزرے ہوئے سالوں کو شمار کیا تو وہ ساٹھ ہوئے اور دِنوں کی گنتی کی تو دِن اکیس ہزار پانچ سو تھے، اس پر انہوں نے ایک چیخ بلند کی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب انہیں ہوش آیا تو کہنے لگے: ہائے افسوس! کیا میں اپنے رب کے پاس اکیس ہزار پانچ سو گناہ لے کر

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٣٦٥۔ ❷ ہوسکتا ہے وہ عمر رسیدہ ہو یا لونڈی ہو۔
❸ العاقبة فی ذکر الموت: ١/ ٣١۔

حاضر ہوں گا؟ اور یہ اعداد و شمار تو تب ہوں گے جب ایک دن میں ایک گناہ کیا ہو اور اگر کئی گناہ کیے ہوں تو کیا حال ہوگا؟ پھر کہنے لگے: صد حیف مجھ پر کہ میں نے اپنی دنیا کو آباد کیا اور آخرت کو اجاڑا اور اپنے رب کی نافرمانی کی، پھر میں پر رونق مقام سے اجڑے دیار کی طرف کیسے جانا پسند کر سکتا ہوں؟ اور میں کیسے حساب و کتاب اور عذاب و عقاب والی جگہ منتقل ہونے کی خواہش کر سکتا ہوں جبکہ میں نے کوئی نیک اور قابل ثواب عمل نہیں کیا؟ پھر یہ شعر کہے:

مَنَازِلُ دُنْيَاكَ شَيَّدْتَهَا وَخَرَّبْتَ دَارَكَ فِي الْآخِرَه
فَأَصْبَحْتَ تَكْرَهُهَا لِلْخَرَابِ وَتَرْغَبُ فِي دَارِكَ الْعَامِرَه

(اے انسان!) تو نے اپنی دنیا والے گھر کی تو خوب زیب و آرائش کی اور اپنی آخرت کے گھر کو برباد کر ڈالا، اب تو ویران گھر کو ناپسند کرتا ہے اور آباد مقام کو پسند کرتا ہے۔

پھر دِل دہلا دینے والے انداز سے چیخے اور گر پڑے، جب لوگوں نے انہیں حرکت دی تو انہیں فوت شدہ پایا۔ [1]

حسن بیان کرتے ہیں کہ پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کے پاس جب موت کا وقت حاضر ہوا تو وہ رونے لگا، جب اس سے پوچھا گیا تو بولا: اللہ کی قسم! جو کچھ میں نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے اس کی محبت کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ ان تین کاموں کی وجہ سے رو رہا ہوں (جن کا موقع مجھے دوبارہ نہیں ملے گا)

1. سخت گرمی کے دِن کا روزہ۔
2. وہ رات جو میں نے عبادت میں گزاری۔
3. وہ دِن جس میں اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ مثال

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دِن رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے

---

[1] العاقبة في ذكر الموت: ١/ ٣١۔ [2] وصايا العلماء: ١/ ٦٦۔

فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تم میں سے کسی کے مال، اہل وعیال اور اعمال کی مثال کیسی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم سے کسی ایک کے مال، اہل وعیال اور اعمال ایسے ہیں جیسے ایک آدمی ہو اور اس کے تین بھائی ہوں۔ جب اس کی موت کا وقت قریب ہو تو وہ ان تینوں کو بلائے اور کہے: تم جانتے ہو کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے (لہٰذا بتاؤ کہ) تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو اور تمہارے نزدیک میرا مقام کیا ہے؟ تو وہ جواب دے کہ میں تمہارے کام اس طرح آ سکتا ہوں کہ تمہاری تیمارداری کروں اور (متاع عزیز کی طرح) تمہاری حفاظت کروں اور تمہاری وجہ سے مشقت برداشت کروں، جب تم وفات پا جاؤ تو حق یہ ہے کہ تمہیں غسل دے کر کفن دوں اور لوگوں کے ساتھ جنازگاہ کی طرف لے جاؤں، تمہاری میت کو کندھا دوں اور جب تجھے دفنا کر لوٹوں تو تیرے بارے میں جو مجھ سے دریافت کرے اس کے سامنے تیری تعریف کروں، یہ اس کا وہ بھائی ہے جس کو اہل وعیال کا نام دیا جاتا ہے، تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: اللہ کے رسول! ہم اس بات کو مستحسن نہیں گردانتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر وہ اپنے دوسرے بھائی سے کہے: تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ کیسا معاملہ پیش آ جائے گا، تم بتاؤ کہ میرا مقام تمہارے ہاں کیسا ہے اور تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟ وہ اس پر جواب دے: میری موجودگی میں تو عیش وعشرت تب تک کر سکتا ہے جب تک زندہ ہے، جب تو مر جائے گا تو تجھے ایک جانب لے جایا جائے گا اور مجھے دوسری جانب۔ یہ اس کا دوسرا بھائی (مال) ہے تم اسے کیسا سمجھتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم بولے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم اسے کچھ اچھا نہیں سمجھتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد وہ اپنے تیسرے بھائی سے بھی وہی کلمات دہرائے جو پہلے دو سے کہے تھے اور کہے کہ تو خوب جان چکا ہے کہ میرے اہل وعیال اور مال میرے کیا کام آئیں گے اب تیری کیا رائے ہے؟ اس پر وہ جواب دے: میں قبر میں تیرا ساتھی بنوں گا، تیری تنہائی اور وحشت میں تیرا ہمدرد وغمگسار رہوں گا اور قیامت کے دِن

تیرے میزان کے وزن میں اضافہ کروں گا، یہ اس کا تیسرا بھائی (عمل ہے)، تمہاری اس کے بارے کیا رائے ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم بولے، یہ بہترین بھائی اور نہایت اچھا دوست ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو (تم سب کا) معاملہ یوں ہوگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تب عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ انہیں ایک نظم لکھنے کی اجازت دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی، وہ صحابی اگلے ہی دِن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور سارے مجمع کے سامنے کھڑے ہو کر نظم پڑھنے لگے:

فَإِنِّيْ وَاهْلِيْ وَالَّذِيْ قَدَّمَتْ يَدِي   كَدَاعٍ إِلَيْهِ صَحْبَهُ ثُمَّ قَائِلٍ
لِإِخْوَتِهِ إِذْهُمْ ثَلَاثَةُ إِخْوَةٍ   أَعِيْنُوْا عَلَى أَمْرٍ بِيَ الْيَوْمَ نَازِلٍ
فِرَاقٌ طَوِيْلٌ غَيْرُ مُتَّقٍ بِهِ   فَمَاذَا لَدَيْكُمْ فِي الَّذِيْ هُوَ غَائِلٍ
فَقَالَ امْرُؤٌ مِنْهُمْ أَنَا الصَّاحِبُ الَّذِيْ   أَطِيْعُكَ فِيْمَا شِئْتَ قَبْلَ التَّزَايُلِ
فَأَمَّا إِذَا وُجِدَ الْفِرَاقُ فَإِنَّنِي   لِمَا بَيْنَنَا مِنْ خِلَّةٍ غَيْرُ وَاصِلِ
فَخُذْ مَا أَرَدْتَّ الْآنَ مِنِّي فَإِنَّنِي   سَيُسْلَكُ بِي فِي مَهْيَلٍ مِنْ مَّهَائِلِ
فَإِنْ تُبْقِنِي لَا تُبْقِ فَاسْتَنْقِذَنِّيْ   وَعَجِّلْ صَلَاحًا قَبْلَ حَتْفٍ مُعَاجِلِ
وَقَالَ امْرُؤٌ قَدْ كُنْتُ جِدًّا أُحِبُّهُ   وَأُوْثِرُهُ مِنْ بَيْنِهِمْ فِي التَّفَاضُلِ
غَنَائِي أَنِّي جَاهِدٌ لَكَ نَاصِحٌ   إِذَا جَدَّ جَدُّ الْكَرْبِ غَيْرُ مُقَاتِلِ
وَلَكِنَّنِي بَاكٍ عَلَيْكَ وَ مُعَوِّلٌ   وَمُثْنٍ بِخَيْرٍ عِنْدَ مَنْ هُوَ سَائِلِ
وَمُتَّبِعُ الْمَاشِيْنَ أَمْشِي مُشَيِّعًا   أُعِيْنُ بِرِفْقٍ عُقْبَةَ كُلِّ حَامِلِ
إِلَى بَيْتِ مَثْوَاكَ الَّذِي أَنْتَ مُدْخَلٌ   وَأَرْجِعُ مَقْرُوْنًا بِمَا هُوَ شَاغِلِي
كَأَنْ لَّمْ يَكُنْ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ خِلَّةٌ   وَلَا حُسْنُ وُدٍّ مَرَّةً فِي التَّبَاذُلِ
فَذَلِكَ أَهْلُ الْمَرْءِ ذَاكَ غَنَاؤُهُمْ   وَلَيْسَ وَإِنْ كَانُوْا حِرَاصًا بِطَائِلِ
وَقَالَ امْرُؤٌ مِنْهُمْ أَنَا الْأَخُ لَاتَرَى   أَخًا لَكَ مِثْلِي عِنْدَ كَرْبِ الزَّلَازِلِ
لَدَى الْغَيْرِ تَلْقَانِي هُنَالِكَ قَاعِدًا   أُجَادِلُ عَنْكَ الْقَوْلَ رَجْعَ التَّجَادُلِ

وَأَقْعُدُ يَوْمَ الْوَزْنِ فِي الْكَفَّةِ الَّتِي تَكُوْنُ عَلَيْهَا جَاهِدًا فِي التَّثَاقُلِ
فَلَا تَنْسَنِي وَاعْلَمْ مَّكَانِي فَإِنَّنِي عَلَيْكَ شَفِيْقٌ نَاصِحٌ غَيْرُ خَاذِلِ
فَذَلِكَ مَا قَدَّمْتَ مِنْ كُلِّ صَالِحٍ تُلَاقِيْهِ إِنْ أَحْسَنْتَ يَوْمَ التَّوَاصُلِ

① میری، میرے گھر والوں کی اور میرے اعمال کی مثال ایسے ہے جیسے ایک پکارنے والا پکارے۔

② پھر اپنے تین بھائیوں سے کہے کہ تم جانتے ہو کہ مجھے کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

③ میں تم سے یوں جدا ہونے والا ہوں کہ جس جدائی کے بعد ملنے کا یقین نہیں، بتاؤ تم میری اس مصیبت میں کیا مدد کر سکتے ہو؟

④ ان میں سے ایک کا کہنا ہے کہ تم سے میرا پرانا ساتھ ہے، میں نے تمہاری ہمیشہ اطاعت کی ہے۔

⑤ لیکن اگر جدائی کے لمحے آن پہنچے ہیں تو میں اس فراق کو ملاپ کے لمحات میں تبدیل نہیں کر سکتا۔

⑥ تم مجھ سے جو وصول کرنا چاہتے ہو، لے لو کیونکہ پھر تجھے مجھ سے دور دراز خوفناک مقام پر لے جایا جائے گا۔

⑦ اگر میں تیری خاطر زندہ رہا تو پھر بھی تو باقی نہیں رہے گا کہ مجھے نجات دلوا سکے لہٰذا بہتر ہے کہ موت کی دستک سے پہلے بھلائی کے معاملات نپٹا لو۔

⑧ اور دوسرے کا کہنا ہے کہ میں تجھ سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اور ہر ایک سے بڑھ کر تجھے فضیلت دیتا ہوں۔

⑨ میں تیرے لیے یہ کر سکتا ہوں کہ تیری خاطر مشقت برداشت کروں اور تکلیف میں مبتلا رہوں بشرطیکہ وہ جان لیوا نہ ہو۔

⑩ میں تیرے بعد تیرے لیے آنسو بہاؤں گا اور جو تیرے بارے میں مجھ سے پوچھے گا اس کے سامنے تیرے لیے تعریفی کلمات ہی کہوں گا۔

⑪ میں تیری میت کو کندھا دوں گا اور تیرے جنازے کے ساتھ چلوں گا اور نرمی سے تیری

میت سے برتاؤ کروں گا۔

⑫ جب تجھے دفن کر دیا جائے گا تو مجھے اپنی مصروفیات میں دوبارہ لوٹنا پڑے گا۔

⑬ پھر تو میرا اور تمہارا معاملہ یوں ہو جائے گا کہ جیسے ہمارے درمیان دوستی اور اچھے تعلق تھے ہی نہیں۔

⑭ یہ اس کے گھر والے ہیں جو اس سے یوں بے پرواہیں کہ جیسے ان کو اس کی بھلائی کی پروا ہی نہیں ہے۔

⑮ اور ان میں تیسرے کا کہنا ہے کہ میں تیرا ایسا ساتھی ہوں کہ میرے جیسا غمگسار بھائی تو نے نہیں دیکھا ہوگا۔

⑯ (قیامت کے دِن) تو مجھے اس حال میں ملے گا کہ میں تیری حمایت میں دلائل دوں گا۔

⑰ اور تیرے ترازو کے پلڑے میں وزن بڑھانے کا باعث بنوں گا جبکہ تو اس کوشش میں ہوگا کہ کسی طرح سے تیرے میزان میں نیکیوں کا وزن زیادہ ہو جائے۔

⑱ تو یہ مت بھول کہ میں تیرا سچا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، تجھے ہرگز دھوکا نہ دوں گا۔

⑲ یہ بدلہ تجھے روز قیامت تب دیا جائے گا اگر تو نے اس دِن کی تیاری میں نیکیاں کی ہوں گی۔

اس صحابی کی یہ پرسوز نظم سن کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر تو یہ معمول بن گیا کہ جس جگہ سے عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ گزرتے، مسلمان انہیں بلا لیتے، یہ نظم سنانے کی فرمائش کرتے اور سن کر رو پڑتے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہمارے لیے کامل نمونہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں میں ہدایت اور کامیابی کی ضمانت ہے اور جو صالحین ہم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کی عادات و اطوار میں عبرت و نصیحت ہے کیونکہ وہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرتے تھے اور یہ منظر ہمیشہ ذہن میں رکھتے تھے کہ:

---

[1] أمثال الحديث للرامهرمزي:ص١١١ ، الضعفاء للعقيلي، وقال: عبد الله بن عبد العزيز الزهري عن أخيه محمد بن عبد العزيز حديثه غير محفوظ:٢٧٦/٢۔

چھوٹ جاتا ہے یک لخت ہر ایک اپنا پرایا
یہ ساعتِ آخر بھی بڑی عجب گھڑی ہے

اک تو کہ تمناؤں کی تکمیل میں سرشار
اِک موت کہ ہر وقت تیرے سر پہ کھڑی ہے

ہوتا ہے جو کمخواب کے بستر پہ ہمیشہ
نعش اس کی پس مرگ تہہ خاک پڑی ہے

تا کہ اِس طریقے سے وہ اپنی آخرت کی بہترین انداز سے تیاری کر سکیں اور اگر ہم ان کی موت کے وقت کے حالات کا مشاہدہ کریں تو اپنے نفس پر اللہ کے عذاب کے سبب سے زیادہ روتا ہوا پائیں گے، اگر ان کی نیکیوں کے احوال جانیں تو وہ اللہ کے بارے میں حسن ظن رکھنے والے ہیں اور اس کی مغفرت کے امیدوار ہیں اور اگر ان کی موت کی خاطر تیاریاں دیکھیں تو ہم جان لیں گے کہ انہوں نے ہر انداز سے بہتر زادِ رتیار کر رکھا ہے۔

چند روح فسا اور ایمان افروز مناظر

ذیل میں کچھ صالحین وغیر صالحین کی موت کے حالات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جن سے پتہ چلے گا کہ ان کا آخری سفر کیسا ہوا۔ ہم سرورِ دو عالم ﷺ کے واقعہ سے ابتدا کرتے ہیں۔

سید البشر ﷺ کا سفر آخرت

جب رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے یوں موت کا استقبال کرنا شروع کیا کہ کثرت سے اہل قبور کے لیے استغفار کرنے لگے۔ ابومویہبۃ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک رات مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا: اے مویہبہ مجھے اہل بقیع کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تم میرے ساتھ وہاں چلو۔ جب میں آپ ﷺ کے ساتھ وہاں پہنچا تو آپ قبروں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور کہا:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْمَقَابِرِ، لِيَهْنِ لَكُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِيْهِ مِمَّا اَصْبَحَ فِيْهِ النَّاسُ، لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا نَجَّاكُمُ اللهُ مِنْهُ اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يَتْبَعُ اَوَّلَهَا آخِرُهَا، اَلْآخِرَةُ شَرٌّ مِنَ الْاُوْلٰى))

”اے اہل قبور! تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو، اگر تم جان لو کہ اللہ نے کن مصائب سے تمہیں محفوظ رکھا ہے تو تم اپنی حالت کو لوگوں کی حالت سے بہتر سمجھو، (کیونکہ حال یہ ہے کہ) اندھیری رات کی مانند فتنے چھا چکے ہیں جن میں سے ایک کے بعد دوسرا فتنہ سر اٹھا لیتا ہے اور آنے والا فتنہ گزرے ہوئے سے بڑھ کر مہلک ہوتا ہے۔“

پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

((يَا اَبَا مُوَيْهِبَةَ، إِنِّي قَدْ أُوتِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الدُّنْيَا وَالْخُلْدَ فِيهَا ثُمَّ الْجَنَّةَ، وَ خُيِّرْتُ بَيْنَ ذٰلِكَ وَ بَيْنَ لِقَاءِ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ وَالْجَنَّةِ))

''اے ابومویہبہ! مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں اور یہاں ہمیشہ کی زندگی اور جنت کی نعمت دی گئی ہے اور مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ میں اِن چیزوں کو پسند کرتا ہوں یا اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو۔''

اس پر میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ دنیا کے خزانے، اس میں ہمیشگی اور جنت کو پسند فرمالیجیے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اللہ کی قسم! ابومویہبہ میں نے تو اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد آپ اہل بقیع کے لیے استغفار کرنے لگے، پھر وہاں سے چلے گئے، تب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تکلیف شروع ہو گئی جس میں آپ کی وفات حسرت یات ہوئی۔ [1]

جب آپ کی تکلیف میں اضافہ ہوا تو آپ نے درد کی شدت سے سر مبارک کو باندھ لیا اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے فضل میرا ہاتھ تھام لو! حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: لوگوں میں اعلان کرو! لوگ اعلان سن کر جمع ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد بیان کی اور شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی، ان کے لیے استغفار کیا اور کثرت سے ان کے لیے دعائے رحمت کی پھر فرمایا: اے لوگو! میں اس اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں تمہارے حقوق ادا کرنے کے لیے حاضر ہوں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عاجزی یہ بات ارشاد فرمائی) جس کسی کی پشت پر میں نے ناحق ضرب لگائی ہو وہ مجھ سے بدلہ لے لے اور میری پشت پر ضرب لگالے اور جس کسی کی ناحق بے عزتی کی ہو وہ مجھ سے بدلہ لے لے، میں حاضر ہوں، کسی سے بغض رکھنا میری فطرت کا حصہ نہیں اور نہ یہ میرے شایانِ شان ہے۔

---

[1] مسند احمد (الموسوعة الحديثية):٢٥/ ٣٧٦، ١٥٥٩٧؛ سنن دارمی، مقدمة: ٧٩۔

یقیناً مجھے تو وہ شخص محبوب ہو گا کہ جو اپنا حق وصول کر لے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میں (حقوق العباد سے) بری ہو کر اللہ سے ملوں۔

پھر آپ منبر سے اتر آئے اور ظہر کی نماز ادا کر کے دوبارہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی وہی بات دہرائی جو بغض اور دوسرے معاملات میں فرمائی تھی۔ اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ کے ذمہ میرے تین درہم ادا کرنے باقی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم کسی کہنے والے کی تکذیب نہیں کرتے اور نہ ہی اسے حلف اٹھانے کا کہتے ہیں، میں نے کس وقت تجھ سے درہم لیے تھے؟'' اس آدمی نے کہا: وہ دِن یاد کیجئے جب آپ کے پاس ایک سائل آیا تھا، [1] آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے کچھ دے دوں تو میں نے اسے تین درہم دیئے تھی۔ پھر آپ نے فرمایا: اے فضل! اسے درہم لوٹا دو۔ پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! جس کے ذمہ کوئی چیز ہے وہ اسے ضرور ادا کر دے، اور دنیا کی رسوائی کو خاطر میں نہ لائے کیونکہ دنیا کی رسوائی آخرت میں رسوائی سے بہت آسان ہے۔ پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس تین درہم ہیں جن کو میں نے اللہ کے مال میں سے خیانت کر کے حاصل کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم نے کیوں خیانت کی؟ اس آدمی نے کہا کہ میں تب محتاج تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِس سے وہ درہم لے لو! پھر آپ نے فرمایا: جو اپنے نفس پر کسی وجہ سے ڈرتا ہو وہ کھڑا ہو، تاکہ میں اس کے لیے دعا کر دوں۔ اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے جھوٹ اور فحاشی کی عادت ہے اور میں بہت سوتا بھی ہوں۔ آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اسے سچائی اور ایمان کی دولت عطا فرما! اور جب یہ (فضول) سونے کا ارادہ کرے تو اس کی نیند کو دور کر۔ پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول میں کثرت سے جھوٹ بولتا ہوں اور میں منافق بھی ہوں اور ہر کام میں گناہ کا پہلو تلاش کر لیتا ہوں۔ اس کی بات سن کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: (اپنے عیوب بیان کر کے)

---

[1] ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں! یہ انداز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کریمی کے باعث تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سائل کو خالی نہ لوٹاتے تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہ ہوتا تو فرماتے: ''لوگوں سے کچھ لے لو میں انہیں لوٹا دوں گا۔'' آپ کی سخاوت کی مثال تو تیز آندھی کی طرح تھی۔

تو نے تو خود کو رسوا کر ڈالا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر بن خطاب! دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بدرجہا بہتر اور ہلکی ہے۔ پھر اس شخص کے لیے یوں دعا فرمائی: اے اللہ! اسے سچائی اور ایمان عطا فرما اور اس کے کاموں میں بھلائی پیدا کر دے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی بات کہی کہ رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے اور پھر فرمایا:

((عُمَرُ مَعِيَ وَاَنَا مَعَ عُمَرَ، وَالْحَقُّ بَعْدِيْ مَعَ عُمَرَ حَيْثُ كَانَ)) [1]

''عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہے اور میں عمر کے ساتھ ہوں، عمر رضی اللہ عنہ جہاں ہوگا وہاں حق (کا علم بلند) ہوگا۔''

پھر آپ ﷺ نے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنے کی وصیت کی اور فرمایا:

((اَمَّا بَعْدُ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ، اِنَّكُمْ قَدْ اَصْبَحْتُمْ تَزِيْدُوْنَ وَ اَصْبَحَتِ الْاَنْصَارُ لَا تَزِيْدُ، عَلَى هَيْئَتِهَا الَّتِيْ هِيَ عَلَيْهَا الْيَوْمَ، وَالْاَنْصَارُ عَيْبَتِي الَّتِي أَوَيْتُ إِلَيْهَا، فَاَكْرِمُوْا كَرِيْمَهُمْ، وَ تَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِيْئِهِمْ)) [2]

''اے مہاجرین کی جماعت! تمہاری شان وشوکت یا تعداد بڑھ جائے گی جبکہ انصار کی شان وشوکت یا تعداد نہیں بڑھے گی بلکہ ان کی جو حالت آج ہے، وہی رہے گی۔ انصار نے ایک پناہ گاہ کی طرح مجھے محفوظ رکھا لہٰذا تم بھی ان کے معزز لوگوں کی عزت وتکریم کرو اور اگر وہ خطا کر جائیں تو درگزر کرو۔''

اس مضمون کی حدیث صحیح البخاری میں بھی مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: حمد وثنا کے بعد! یقیناً لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ لوگوں کے

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: ١٨/ ٢٨٠؛ والأوسط: ٦٢٦٩؛ دلائل النبوة للبيهقي۔ضعّفه الشيخ الالباني رحمه الله فى الضعيفة: ٦٢٩٧۔

[2] مسند احمد (الموسوعة الحديثية): ١٦٠٧٥؛ وقال محققه: اسناده صحيح المعجم الكبير للطبراني: ١٩/٧٩۔

درمیان ان کی تعداد اتنی سی رہ جائے گی جتنی مقدار کھانے میں نمک کی ہوتی ہے، پس اگر تم میں سے کسی کو ایسی چیز کا والی بنایا جائے کہ وہ اس سے کچھ لوگوں کو محروم رکھے اور کچھ کو فائدہ دے تو اسے چاہیے کہ وہ نیک (انصاریوں) سے بھلائی کو قبول کر لے اور خطا کار سے درگزر کرے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا إِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ قَدْ خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَ بَيْنَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ))

''یقیناً اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ایسا ہے جسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا اور اللہ کے پاس موجود نعمتوں اور درجات میں سے جسے چاہے پسند کر لے، اور اس نے وہ پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرطِ محبت میں کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر خود کو، ماں باپ کو اور اپنے بیٹوں کو قربان کرتے ہیں۔ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس انداز سے سخت متعجب ہوئے اور بعض لوگ کہنے لگے: اس بوڑھے کو دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے شخص کی بات کر رہے ہیں جسے اختیار دیا گیا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''ابوبکر! خود پر قابو رکھو! (پھر لوگوں سے مخاطب ہوئے اور حکم دیا) مسجد نبوی میں جتنے بھی دروازے کھلتے ہیں وہ بند کر دو سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے، میرا نہیں خیال کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر میری محبت میں کسی نے مجھ پر احسانات کیے ہوں گے۔ اے ابوبکر! مت رو! یقیناً ابوبکر نے میرا سب سے بڑھ کر ساتھ دیا ہے اور سب سے زیادہ مال کے ساتھ میری مدد کی ہے۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناتا تو اے ابوبکر! میں تجھے دوست چنتا، لیکن اسلام کی اخوت و محبت ہی کافی ہے۔ مسجد میں کوئی دروازہ کھلا مت رہنے دو سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔[1]

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد: ٤٦٦؛ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أبي الصديق رضی اللہ عنہ: ٢٣٨٢۔

مرض الموت میں آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! خیبر میں جو زہر آلود کھانا مجھے دیا گیا تھا میں اس کی تکلیف اب تک محسوس کرتا ہوں، اب مجھے لگ رہا ہے کہ میرے دِل (یا حلق) کی رگیں اس زہر کے اثر سے کٹ رہی ہیں۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کو ایک یہودی عورت نے زہر دیا تھا۔ ابو داؤد حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول کرلیا کرتے تھے اور صدقہ قبول نہ کرتے تھے۔ خیبر میں ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو ہدیۃً پیش کیا، آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے اس میں سے کھایا (تب ہی آپ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ہاتھ روک لو کیونکہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔

بشر بن براء رضی اللہ عنہ بن معرور انصاری زہریلا نوالہ کھانے سے وفات پا گئے تھے۔ ❷

آپ ﷺ نے اس یہودیہ کو بلا بھیجا اور پوچھا: جو حرکت تو نے کی ہے اس پر تجھے کس نے آمادہ کیا؟ اس نے جواب دیا: اگر آپ نبی ہیں تو اِس سے آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر (لالچی اور حریص) بادشاہ ہیں تو تب لوگ آپ (کے شر) سے نجات حاصل کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور جب آپ ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے تو فرمایا: جو (زہر آلود) نوالہ میں نے خیبر میں کھایا تھا میں آج بھی اس کی تکلیف محسوس کر رہا ہوں، اب تو میری رگ جاں کٹی جارہی ہے۔ ❸

اسی مرض الموت کے دوران آپ ﷺ کے پاس ام مبشر رضی اللہ عنہا آئیں جن کا بیٹا زہر سے وفات پا گیا تھا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ماں سے سنا: ام مبشر رضی اللہ عنہا آپ کی بیماری کے آخری ایام میں آپ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ میں تو آپ کی بیماری کی وجہ اس کھانے کو سمجھتی ہوں جو آپ نے خیبر

---

❶ صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته: ٤٤٨٢۔

❷ کیونکہ انہیں شرم محسوس ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے منہ سے نوالہ نکال کر پھینکیں۔

❸ سنن ابي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما أو أطعمه فمات: ٤٥١٢۔

میں کھایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! میں بھی یہ ہی سمجھتا ہوں کہ اس کھانے کی وجہ سے میری رگِ جاں کٹ رہی ہے۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں آخری وقت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی، آپ کے پاس ایک پیالے میں پانی تھا، آپ اس میں ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرہ مبارک پر مل لیتے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ لَسَكَرَاتٌ))

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یقیناً موت کی سختی لازم ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے انگشت شہادت بلند کی اور فرمایا:

((فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلَى))

''اے اللہ رفیق اعلیٰ سے مدد دے۔''

پھر آپ ﷺ کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کا اٹھا ہوا ہاتھ پانی میں گر گیا۔[1] إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

خاتونِ جنت، سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا اہل بیت میں سے سب سے پہلے رسول محترم ﷺ سے جا ملیں۔ جب آپ بیمار ہوئیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور آپ کو خوش کرنے کی غرض سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے اہل بیت! میں نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور تمہاری خوشنودی کی خاطر ہی اپنے گھر بار، مال اور اہل وعیال کو چھوڑا ہے۔ یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئیں۔

جب آپ رضی اللہ عنہا کی موت کا وقت قریب ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا (یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں) کہ وہ انہیں غسل دیں۔ وصیت کے مطابق حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب نے انہیں غسل دیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سلمٰی ام رافع اور عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بھی انہیں غسل دینے میں

---

[1] صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته: ٤٤٤٩۔

شامل تھے لیکن راجح قول یہی ہے کہ وصیت کے وقت انہوں نے یہ بھی کہا تھا: اے اسماء رضی اللہ عنہا جب میں فوت ہو جاؤں تو تم اور علی رضی اللہ عنہ مجھے غسل دینا اور کوئی میرے قریب نہ آئے۔ 1

آپ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (واللہ اعلم بالصواب) سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۱ ہجری میں وفات پائی۔ 2

جب صدیق رضی اللہ عنہ اپنے رفیق سے جا ملے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت آپ کے پاس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور شدتِ غم سے یہ اشعار پڑھے:

لَعَمْرُكَ مَا يُغْنِي الثَّرَاءُ عَنِ الْفَتَى إِذَا
حَشْرَجَتْ يَوْمًا وَضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ 3

”آپ کی عمر! جب (موت کی وجہ سے) گلے کا گھنگھرو بولنے لگے اور دم گھٹنے لگے تو اس وقت کسی پرواویلا کرنا اور محاسن بیان کرنا بالکل بے سود ہے۔“

انہوں نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور کہا: بات یوں نہیں ہے، اے میری پیاری بیٹی! بلکہ تو ایسے کہہ:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ○﴾ 4

”یقیناً موت کی سختی پیش آئے گی، یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔“

پھر فرمایا: دیکھو! یہ میرے کپڑوں کا جوڑا ہے، اسے دھو لینا اور مجھے انہی میں کفن دینا کیونکہ زندہ لوگ مردہ سے زیادہ نئے کپڑوں کے حقدار ہیں۔ 5

---

1 السنن الکبری للبیهقی: ٦/ ٤٩، ح: ١٢٧٣٥۔ 2 البدایة والنهایة: ٦/ ٣٣٣۔

3 یہ اشعار حاتم طائی کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور یہ طویل نظم کا حصہ ہیں۔

4 ٥٠/ ق: ١٩۔

5 صحیح ابن حبان: ٣٠٢٥، صححه الشیخ الالبانی رحمه الله، انظر: التعلیق الحسان علی صحیح ابن حبان: ٥/ ٥٣۔

اور جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تعریف میں یہ اشعار کہے:

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقٰى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ رَبِيْعُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ ❶

اوران کے پرنور چہرے کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کے محسن اور بیواؤں کی پناہ گاہ تھے۔''

تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ اشعار (اور صفات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئے اور آپ پر زہر ❷ کے اثرات دیکھ کر غمگین ہو گئے اور کہنے لگے: کیا ہم طبیب کو بلائیں تا کہ وہ کچھ علاج کرے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: قَدْ نَظَرَ اِلَيَّ طَبِيْبِيْ وَقَالَ: اِنِّيْ فَعَّالٌ لِّمَا اُرِيْدُ" ❸ ''میرے طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے اور کہا ہے: میں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے ان کے پاس آئے اور کہا: اے ابوبکر! ہمیں وصیت کیجئے! تو صدیقِ کائنات نے اِن خوبصورت الفاظ میں وصیت کی: یقیناً اللہ تم پر دنیا کی فراوانی کر دے گا لیکن تم اس میں سے اس قدر ہی لینا جس سے میانہ روی کے ساتھ گزر بسر کرسکو۔ اور جان لو! جس نے صبح کی نماز ادا کی وہ اللہ کی حفاظت میں ہوگا، لہٰذا اللہ کے معاملہ میں دخل اندازی نہ کرنا ورنہ اللہ تمہیں منہ کے بل آگ میں جھونک دے گا۔'' ❹

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طبیعت زیادہ بوجھل ہوئی تو آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں ایک عظیم نصیحت کی جس کا کثیر حصہ موت کے ذکر پر مشتمل ہے، آپ نے کہا:

---

❶ یہ اشعار ایک طویل قصیدہ سے لیے گئے ہیں جو ابوطالب بن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وتوصیف میں کہا تھا۔

❷ امام حاکم اپنی مستدرک میں ابن شہاب سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دِن کسی آدمی نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خربوزہ کی ایک پھانک ہدیۃً پیش کی، ان کے پاس حارث بن کلدہ نامی ایک شخص تھا جو اہل علم میں سے تھا، ان دونوں نے اس میں سے کھایا۔ ابن کلدہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! اس میں ایسا زہر ہے جو ایک سال بعد اثر پذیر ہوگا پھر ایک سال گزرنے سے پہلے ہی وہ دونوں وفات پا گئے۔

❸ شاید آپ کا اشارہ سورہ ہود کی اس آیت کی طرف تھا ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ ''آپ کا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

❹ احياء علوم الدين: ٤/ ٤٧٦۔

اگر آپ قبول کریں تو میں آپ کو وصیت کرتا ہوں، بے شک اللہ عزوجل کے کچھ حقوق دِن میں بندوں کے ذمہ واجب الادا ہیں جو وہ رات کو قبول نہیں کرتا اور کچھ حقوق رات میں ہیں جنہیں وہ دن میں قبول نہیں کرتا۔ جب تک فرائض کی ادائیگی نہ کی جائے اللہ نفل قبول نہیں کرتے۔ یقیناً کامیاب وکامران وہ ہے جو دنیا میں حق کی پیروی کرتا رہا اور آخرت میں اس کے اعمال کا ترازو بھاری رہا، اور جس میزان میں حق کو رکھا جائے اسے تو ضرور وزنی ہونا چاہیے۔ اور ناکام ونامراد ہے وہ شخص جو دنیا میں باطل کی پیروی کرتا رہا اور آخرت میں اس کے اعمال کا ترازو ہلکا رہا، اس کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور جس ترازو میں باطل کو رکھا جائے اس کا حق ہے کہ وہ ہلکا رہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے خوف والی آیت کے ساتھ رحمت والی آیت نازل کی ہے، اور رحمت والی آیت کے ساتھ خوف والی آیت بھی نازل کی ہے، اور مغفرت کے ساتھ عذاب کا ذکر کیا ہے تاکہ بندوں کے لیے ترغیب وترہیب کا سامان ہو اور وہ ہلاکت میں نہ جا پڑیں اور اللہ پر ناحق امیدیں نہ باندھیں۔

اگر آپ نے میری وصیت یاد رکھی تو کوئی چیز آپ کے نزدیک موت سے زیادہ محبوب نہیں ہوگی کیونکہ اس سے کوئی راہِ فرار نہیں، اور اگر آپ نے اسے ضائع کر دیا تو کوئی چیز آپ کے نزدیک موت سے بڑھ کر ناپسندیدہ نہیں ہوگی لیکن تب بھی آپ اس سے فرار اختیار نہیں کر سکتے اور نہ اسے عاجز کر سکتے ہیں۔ [1]

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی سے روح پرواز کرنے لگی تو اس سے پہلے آپ کا آخری کلام یہ تھا: ﴿ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ [2]

''(اے اللہ!) تو مجھے مسلمان فوت کرنا اور نیکوں کے ساتھ ملا دے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المال سے یومیہ تین درہم وظیفہ لیا کرتے تھے، جب آپ کی موت کا وقت قریب آیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: دیکھو کہ جب سے ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس کے مال میں کس چیز کا اضافہ ہوا ہے (اگر کوئی چیز زیادہ ہوئی ہے تو)

---

[1] وصایا العلماء: ۱/ ۳۳؛ مدارج السالکین: ۱/ ۳۷۸۔ [2] ۱۲/یوسف: ۱۰۱

اسے مسلمانوں کو واپس لوٹا دو۔ جب انہوں نے دیکھا تو ایک اونٹ یا گائے کا بچہ، ایک کھریرا ❶ اور ایک چادر نکلی جن کی قیمت پانچ درہم سے بھی کم تھی جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ چلا تو کہنے لگے: اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے وہ اپنے پیچھے رہنے والوں کو مشقت میں ڈال گئے ہیں۔ ❷

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ قرب الموت تھے تو کہنے لگے: یہ کون سا دِن ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ پیر کا دِن ہے۔ پھر کہنے لگے: اگر میں آج رات فوت ہو جاؤں تو (مجھے دفنانے کے لیے) صبح کا انتظار مت کرنا یقیناً مجھے وہ دِن اور راتیں پسند ہیں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کر دیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دِن وفات پائی تھی اِس وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ میری موت اور کفن دفن اِسی دن ہو تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت ہو جائے)۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں قبر اور منبر کے درمیان میں دفن کرنا کیا جائے۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے وعدہ لیا کہ فلاں شخص منافق ہے، اسے میری قبر میں مت اترنے دینا۔ ❸

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو اپنے پاس موجود لوگوں سے پوچھنے لگے: دیکھو! کیا صبح ہو چکی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بار بار یہ سوال دھرایا یہاں تک کہ صبح ہوئی، انہیں بتایا گیا کہ صبح ہو چکی ہے تو کہنے لگے: میں ایسی رات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جس کی صبح آگ کی طرف لے جائے۔ پھر کہا: موت کے لیے خوش آمدید جو بچھڑے ہوؤں سے ملانے والی ہے، اور ایسے دوست (ملک الموت) کا آنا مبارک ہو جو فاقہ کرنے والے کے پاس آیا ہے، اے اللہ! میں نے ساری زندگی تجھ سے ڈرتے ہوئے گزاری ہے کہ میں نے دنیا سے اور اس کی بقا سے محبت اِس لیے نہیں کہ میں نہریں

---

❶ وہ آلہ جس سے گھوڑے کے بدن سے گرد وغیرہ صاف کی جاتی ہے۔ ❷ مآثر الإنافة: ۱/ ۸٦۔
❸ الرياض النضرة في مناقب العشرة لأبي جعفر الطبري: ۱/ ۲٦۱

کھودوں اور درخت اگاؤں (یعنی کھیتی باڑی کی غرض سے) بلکہ صرف اِس لیے کہ گرمی کے طویل ایام کے روزے رکھ سکوں، سردی کی لمبی راتوں میں قیام کر سکوں اور زمانے کی تکالیف تیری خاطر برداشت کروں اور ذکر کی محفلوں میں علما سے ملوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی۔ ❶

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

جب حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان کی بیوی آہ وزاری کرنے لگیں اور کہنے لگیں: ہائے افسوس! اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، بلکہ یوں کہو: کس قدر خوشی کی بات ہے، کل ہم اپنے محبوب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جا ملیں گے۔ ❷

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: میں نہیں جانتا کہ کس دِن (اِس دنیا سے) نجات پاؤں گا؟ وہ کون سا دِن ہے جس میں اللہ نے میرے لیے شہادت لکھ رکھی ہے؟ میں نہیں جانتا کہ وہ کون سا دِن ہے جس دِن اللہ عزوجل (شہادت کے ذریعے سے) مجھے عزت و تکریم سے نوازیں گے؟

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کیا تب سے وہ حمص ہی میں رہے یہاں تک کہ بیماری میں مبتلا ہو گئے، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ان کے پاس عیادت کرنے آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اِن سے کہا: میرا گھوڑا اور اسلحہ جو میں نے جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے خرید رکھے ہیں اور میرا وہ گھر جو مدینہ میں ہے وہ صدقہ ہے، میں اس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو گواہ بناتا ہوں اور بہترین مدد وہ ہے جو اسلام کے نام پر کی جائے، میں اپنی وصیت کی تکمیل اور اس کا نفاذ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سونپتا ہوں۔

جب یہ وصیت عمر رضی اللہ عنہ کو دکھائی گئی تو آپ نے اس کی تائید کی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لیے اظہار ہمدردی کیا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو انہیں حمص کی کسی بستی میں دفنا

---

❶ حلية الأولياء: ١/ ٢٣٩؛ تاريخ دمشق لابن عساكر: ٥٨/ ٤٥٠

❷ العاقبة في ذكر الموت: ١/ ١٢٤؛ بدائع الفوائد: ٣/ ٧٣٥۔

دیا گیا۔ جس شخص نے انہیں غسل دیا اس کا کہنا ہے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا کہ جہاں تلوار، نیزے یا تیر کے زخم کا نشان نہ ہو۔

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی موت کے وقت رونے لگے اور بولے: میں نے فلاں فلاں جنگ میں شرکت کی ہے، میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں تلوار، نیزے یا تیر سے لگے ہوئے زخم کا نشان نہ ہو، لیکن افسوس! میں اپنے بستر پر طبعی موت مر رہا ہوں جیسے اونٹ مرتا ہے، سخی اور شجاع انسان کی آنکھ کبھی سوتی نہیں۔ ❶

مروی ہے کہ جب موت کا وقت قریب ہوا تو کہنے لگے: میں نے ہر اس جگہ موت کو تلاش کیا ہے یعنی شہادت طلب کی ہے جہاں گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہاں موت آسکتی ہے لیکن میری تقدیر یوں ہی لکھی گئی تھی کہ مجھے اپنے بستر پر موت آئے، لا الہ الا اللہ کے بعد (یعنی اسلام لانے کے بعد) کوئی عمل میرے نزدیک اِس سے محبوب نہیں رہا کہ میں ہتھیار بند ہو کر رات گزاروں جبکہ آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ ❷

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں ان دنوں دیکھا جب وہ زخمی نہیں ہوئے تھے، وہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے اور کہنے لگے: تم نے کیا کیا ہے؟ کیا تم ڈرتے ہو کہ زمین پر ایسا بوجھ ڈال دو جس کو اٹھانے کی وہ طاقت نہیں رکھتی؟ ان دونوں نے کہا: بلکہ ہم نے اس پر ایسا بوجھ ہی ڈالا ہے کہ جس کو اٹھانے کی وہ استطاعت رکھتی ہے، یہ زیادتی تو نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: دیکھو! تم نے زمین پر وہ بارِ گراں لا رکھا ہے جس کی قدرت وہ نہیں رکھتی۔ پھر دونوں نے کہا: نہیں، اس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر اللہ مجھے سلامت رکھے تو میں عراق کے یتیموں اور بیواؤں کے لیے ایسے انتظامات کروں گا کہ وہ میرے بعد کسی کے محتاج نہ رہیں گے۔ لیکن اس کے چار دِن بعد ہی آپ پر افتاد آن پڑی۔ ❸

---

❶ صفوة الصفوة: ١/ ٦٥٤؛ و بغية الطلب في تاريخ حلب: ٧/ ٣١٦٣۔

❷ الفائق: ٤/ ١١١۔

❸ صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قصة البيعة والاتفاق: ٣٧٠٠۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنی موت سے چار دن پہلے بازار میں گھوم پھر رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام ابولؤلؤہ آیا اور بولا: اے امیر المومنین! مجھے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے آزاد کروایئے، میرے ذمہ بہت زیادہ ٹیکس ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہارا ٹیکس (خراج) کتنا ہے؟ اس نے جواب دیا: دو درہم فی یومیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو کام کیا کرتا ہے؟ ابولؤلؤہ کہنے لگا: بڑھئی، نقش ونگار اس کے علاوہ لوہے کا کام۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ تیرے کام کے لحاظ سے تیرا ٹیکس زیادہ نہیں ہے، مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ تیرا کہنا ہے: اگر میں چکی پہ کام کرنا چاہوں تو ہوا سے اسے چلا سکتا ہوں۔ وہ بولا: ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ایک چکی بنانے کو کہا تو اس کافر نے جواب دیا: اگر میں سلامت رہا تو آپ کے لیے ایسی چکی تیار کروں گا جس کے چرچے مشرق ومغرب میں ہوں گے۔ پھر وہ چلا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ غلام تو مجھے دھمکی دے گیا ہے۔ [1]

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لے گئے، اگلے دن حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین! میں بالجزم کہتا ہوں کہ تین دِن بعد آپ وفات پا جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کیسے جانتے ہیں؟ کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے تورات میں پڑھا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ بولے: کیا واقعی! آپ نے عمر بن خطاب کا ذکر تورات میں پایا ہے؟ اللہ کی قسم! نہیں، بلکہ میں نے آپ کی صفات اور حلیے کا تذکرہ اس میں پڑھا ہے، کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

اگلے دن جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو کہنے لگے: اے امیر المومنین ایک دِن تو گزر گیا ہے اب (آپ رضی اللہ عنہ کی وفات میں) دو دِن باقی ہیں۔ پھر اس سے اگلے دِن آئے تو بولے: دو دِن گزر چکے، ایک دن اور ایک رات باقی ہیں، رات کے بعد آنے والی صبح (حسرتوں والی) ہوگی۔

اگلی صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے لیے نکلے، آپ نماز سے قبل صفوں کو درست کیا کرتے تھے، جب وہ سیدھی ہو چکیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر تکبیر کہی، اتنے میں ابولؤلؤہ آیا

---

[1] مصنف لابن ابی شیبة: ۷/ ۴۳۹، ح: (۳۷۰۷٤)

(اس پر اللہ کی لعنت ہو) اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا جس کے دو سرے اور درمیان میں پھل تھا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پے در پے چھ وار کیے جن میں سے ایک آپ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں (ناف کے نیچے) جا لگا، اِسی سے آپ رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہوئی۔ اِس کارروائی کے بعد وہ قوی ہیکل عجمی (ابولؤلوہ) بھاگ کھڑا ہوا اور جہاں جہاں سے گزرا لوگوں پر خنجر سے وار کرتا گیا۔ اس نے تیرہ آدمیوں کو زخمی کیا جن میں سے نو وفات پا گئے۔ جب مسلمانوں میں سے ایک جری جوان نے اس کی مذموم حرکت دیکھی تو اس پر اپنی ٹوپی [1] پھینکی، اب ابولؤلوہ کو یقین ہو گیا کہ وہ پکڑا جائے گا لہٰذا اسی خنجر کے ساتھ اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکلیف کے باعث گر گئے اور پوچھا: کیا لوگوں میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ جواب ملا: جی ہاں امیر المومنین! وہ اِدھر ہی موجود ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھایئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امامت کروائی اور عمر رضی اللہ عنہ ان کی ایک جانب میں لیٹے رہے۔

لوگوں میں سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے وہ تو جانتے تھے کہ کیا معاملہ پیش آیا ہے لیکن جو لوگ گرد و نواح میں نماز پڑھ رہے تھے انہیں بات کی سمجھ نہ آسکی اور وہ سبحان اللہ سبحان اللہ پکارنے لگے کیونکہ انہیں عمر رضی اللہ عنہ کی امامت کی آواز نہ آرہی تھی۔ اسی حالت میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مختصر نماز پڑھائی، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر ان کے گھر لے جایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! پتہ کرو کہ مجھے کس نے قتل کرنے کی کوشش کی ہے؟

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ باہر گئے، کچھ دیر بعد آئے اور بتایا کہ یہ مذموم حرکت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام کی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: اللہ اس کو ہلاک کرے، میں نے تو اس کے ساتھ بھلائی والا معاملہ کیا تھا، پھر کہا: اللہ کا شکر ہے کہ جس نے میری موت ایک مسلمان کے ہاتھ سے مقرر نہیں کی کہ جس نے اللہ کے لیے ایک بھی سجدہ کیا ہو۔

اس روز لوگوں کی حالت شدتِ غم سے ایسی تھی کہ جیسے انہیں اس سے قبل ایسی مصیبت کا

---

[1] اسے عربی میں البرنس کہا جاتا ہے، اس کے ساتھ سر پر لپیٹنے کے لیے کپڑا لگا ہوتا ہے۔

سامنا نہ ہوا ہو۔ کوئی کہتا: فکر کی ضرورت نہیں، انہیں آنچ نہیں آئے گی اور کوئی کہتا: میں تو ان کی طرف سے ڈرتا ہوں کہ ان کی موت واقع ہو جائے گی۔ پھر وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس نبیذ لائے، آپ نے اس میں سے پیا، وہ پیٹ سے جوں کا توں باہر نکل آیا، پھر آپ کے پاس دودھ لایا گیا، آپ نے پیا لیکن وہ بھی پیٹ میں ٹھہر نہ سکا تب لوگوں نے یقین کر لیا کہ اب وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ [1]

پھر مہاجر اور انصار آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے لگے تا کہ آپ سے ملیں اور سلامِ الوداع کہیں۔ ان میں کعب الاحبار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو ان کی وہ بات یاد آئی جو انہوں نے کہی تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

فَأَوْعَدَنِيْ كَعْبٌ ثَلَاثًا أَعُدُّهَا
وَلَا شَكَّ أَنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَ لِيْ كَعْبٌ
وَمَا بِي حِذَارُ الْمَوْتِ إِنِّي لَمَيِّتٌ
وَلٰكِنْ حِذَارُ الذَّنْبِ يَتْبَعُهُ الذَّنْبُ

① مجھ سے کعب رضی اللہ عنہ نے (متنبہ کرنے کے لیے) تین دِن کا وعدہ کیا تھا اور ان کی بات میں کوئی شک نہیں تھا جو انہوں نے مجھ سے کہی۔

① مجھے یہ ڈر نہیں کہ میں مر جاؤں گا بلکہ میں تو پے در پے گناہوں سے خائف ہوں جو مجھ سے سرزد ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والوں میں ایک مسلمان نوجوان بھی تھا، وہ کہنے لگا: اے امیر المومنین! آپ اللہ کی طرف سے دی گئی خوشخبری سن کر خوش ہو جائیے، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میسر آئی ہے، آپ کو اسلام میں اولیت وفضیلت حاصل رہی ہے اور آپ نے بھر پور انداز میں اسلام کے احکامات پر عمل کیا ہے پھر آپ کو خلافت کا منصب دیا گیا، جسے عدل و انصاف سے آپ نے نبھایا ہے اور اب شہادت بھی (جو نعمت کبریٰ

---

[1] صحيح بخاری، كتب فضائل اصحاب النبی، باب قصّة البيعة والاتفاق ح: ٣٧٠٠؛ وصحيح ابن حبان: ٦٩١٧۔

ہے) اس پر امیر المومنین بولے: میں چاہتا ہوں کہ میرے لیے برابری کا معاملہ ہو جائے (اگر میں اسے احسن انداز سے انجام نہیں دے پایا) اور منصب خلافت میرے لیے ثواب کا باعث نہیں ہو سکتا تو سزا کی وجہ بھی نہ بنے۔

جب وہ نوجوان پلٹا تو اس کا تہہ بند زمین کو چھو رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس لڑکے کو میرے پاس بلاؤ، وہ دوبارہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے کہا: اے میرے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اٹھا! یہ لباس کے لیے پاکیزگی اور رب کے ہاں تقویٰ کا سبب ہے۔ ❶

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو انہیں روتا ہوا دیکھ کر بولے: اے امیر المومنین! آپ کو کس چیز نے رُلا دیا؟ عمر رضی اللہ عنہ بولے: میں آسمان کے فیصلوں پر رو رہا ہوں (یعنی قسمت بنانے والے کا فیصلہ مجھے رُلا رہا ہے) نا معلوم مجھے جنت کی طرف بھیجا جاتا ہے یا دوزخ میں جھونکا جاتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: آپ جنت کی خوشخبری سن کر خوش ہو جایئے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: جنت میں ادھیڑ عمر مردوں کے سردار ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے اور وہ دونوں بہت بلند مرتبت ہیں۔ ❷ عمر رضی اللہ عنہ بے یقینی کے عالم میں بولے: کیا واقعی آپ گواہ ہیں کہ میں جنتی ہوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! اور اے حسن رضی اللہ عنہ! آپ بھی اپنے باپ پر گواہ رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ((إِنَّ عُمَرَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) ❸ ''یقیناً عمر جنتی ہیں۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ والے الفاظ دھرائے اور یہ بھی ساتھ کہا: آپ نے خلافت کی امانت احسن انداز میں سنبھالی ہے، اللہ نے آپ کے ذریعے بہت سے شہروں کو فتح کرایا، منافقت کو ختم کیا اور رزق کی فراوانی کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا: آپ تو مجھے جنت کی خوشخبری دے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قصة بیعة و الاتفاق......: ۳۷۰۰۔

❷ سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب ابو بکر و عمر سیدا کهول اهل الجنة: ۳۶۶۶؛ سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب فضائل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ۹۵۔

❸ تاریخ دمشق لابن عساکر: ۴۴/ ۱۶۸۔

رہے ہیں لیکن اس اللہ کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جب تک مجھے میرے حسنِ انجام کی خبر نہیں دی جاتی، اگر میرے لیے دنیا و مافیہا بھی ہو تو میں اُن مصائب و شدائد سے بچنے کے لیے فدیہ میں دے دوں جو مجھے درپیش ہیں۔ اور آپ کی جو مسلمانوں کی امارت کے بارے میں رائے ہے، میں تو چاہتا ہوں کہ جیسے میں اس کا والی بنایا گیا تھا ویسے ہی اس سے سبکدوش ہو جاؤں، مجھے اس کی جزا یا سزا نہ دی جائے، ہاں! آپ جو صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر رہے ہیں اس کے سبب سے میں اجر کی امید رکھتا ہوں، پھر آپ نے کہا: مجھے بٹھا دو، جب آپ کو بٹھا دیا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنی باتیں دوبارہ دہرایئے، جب انہوں نے پھر سے وہی باتیں کہیں تو بولے: کیا قیامت کے دن اللہ کے ہاں آپ گواہی دیں گے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نہایت خوش ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا: اگر کوئی منادی کرنے والا آسمان میں منادی کرے کہ اے لوگو! تم سب کے سب جنت میں داخل ہونے والے ہو ماسوا ایک آدمی کے، تو میں ڈروں گا کہ شاید وہ میں ہوں (جو جہنم میں جائے گا) اور اگر منادی کی جائے کہ اے لوگو! تم سب جہنم میں داخل ہونے والے ہو ماسوا ایک آدمی کے، تو میں امید رکھوں گا کہ وہ خوش بخت میں ہی ہوں۔ [1]

جب آپ نے محسوس کیا کہ یہ میرا آخری وقت ہے تو اپنے بیٹے سے کہنے لگے: جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا چہرہ قبلہ کی جانب پھیر دینا، اپنا دایاں ہاتھ میری پیشانی اور بایاں ہاتھ میری ٹھوڑی پر رکھ لینا، جب میری روح قبض ہو جائے تو مجھے کپڑے کے ساتھ ڈھانپ دینا، میرا کفن درمیانہ درجہ کا بنانا (نہ زیادہ گراں قیمت اور نہ زیادہ گھٹیا)۔ کیونکہ اگر اللہ کے ہاں میرا مقام اچھا ہوا تو وہ مجھے اس سے بہتر لباس عطا فرمائے گا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو وہ کفن بہت جلد مجھ سے چھین لیا جائے گا۔ میرے جنازہ میں کسی عورت کو ہرگز نہ لے جانا، میرے وہ محاسن بیان نہ کرنا جو میرے اندر نہیں ہیں کیونکہ اللہ کے ہاں اگر میرا ٹھکانہ اچھا

---

[1] حلية الأولياء لابی نعیم اصفہانی: ۱/ ۵۳۔

ہوا تو تم مجھے بہترین جگہ چھوڑنے جاؤ گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو کم از کم تم برے بوجھ کو اپنی گردنوں سے ہٹاؤ گے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے چہرے کو زمین کے ساتھ لگا دو، اس وقت آپ کا سر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، انہوں نے آپ کا سر اپنی پنڈلی پر رکھ لیا اور کہا: آپ کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ کا سر میری گود میں ہو یا زمین پہ؟ عمر رضی اللہ عنہ بولے: تیری ماں نہ ہو! میرا چہرہ زمین پہ رکھ دو، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، جب آپ کا چہرہ اور داڑھی زمین کو چھونے لگی تو کہا: اے عمر! تیرے اور تیری ماں کے لیے بربادی ہے اگر اللہ نے تجھے معاف نہ کیا، پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ [1]

احمد، ابوملکیہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی میت کو چارپائی پر رکھ دیا گیا تو اس کے اردگرد لوگوں کا ایک جم غفیر تھا، وہ آپ کی سلامتی اور حسنِ عاقبت کی دعا کر رہے تھے، میں بھی اس ہجوم میں تھا۔ میں چونک اٹھا، کیونکہ ایک آدمی نے پیچھے سے میرے کندھے سے پکڑا، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رحلت کے باعث نہایت غمگین تھے، کہنے لگے: میں کسی سے اس غرض سے محبت نہیں رکھتا کہ جب اللہ سے ملوں تو میرے اعمال اس کی مانند ہوں، سوائے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے، (یعنی میں آپ رضی اللہ عنہ کی طرح اعمال کرتے ہوئے مرنا چاہتا ہوں) اللہ کی قسم! میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ انہیں کو ان کے دونوں ساتھیوں سے ضرور ملا دے گا کیونکہ میں نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرما رہے تھے: میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ چلے، میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نکلے۔ میں تو یقین رکھتا ہوں کہ اللہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کی معیت عطا فرمائے گا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد نامزد ہونے والے خلیفہ کے نام وصیت کی جس کے

---

[1] الطبقات الکبری: ۳/ ۳۵۹؛ المعجم الاوسط للطبرانی: ۱/ ۱۸۱۔ وقال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن، مجمع الزوائد: ۹/ ۷۶

الفاظ یوں تھے:

''میں اپنے بعد خلیفہ بننے والے کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین کے حقوق کا خیال رکھا جائے، ان کے مقام ومرتبہ کی حفاظت کی جائے۔ اور انصار کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جائے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے اسلام لائے تھے اور مہاجر مسلمانوں کو انہوں نے ٹھکانہ دیا لہٰذا ان کی نیکی کو تسلیم کرنا اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنا، دور دراز کے شہریوں سے اچھے انداز سے پیش آنا کیونکہ وہ (بالواسطہ) اسلام کے محافظ ومعاون ہیں، مال وزر کے مالک ہیں، دشمن کے لیے غیض وغضب کا باعث ہیں۔ لہٰذا ان سے صدقہ وخیرات ان کی رضا سے وصول کرنا، اور اعرابیوں (بدوی مسلمانوں) کے بارے میں میری وصیت ہے کہ ان کے ساتھ نیکی کرنا کیونکہ وہ اسلام کے اصل واصول ہیں، ان کے امرا سے صدقات وصول کر کے فقرا پر تقسیم کرنا، اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ کو مت توڑنا کہ آپس میں جھگڑنے لگو، اور ان اعرابیوں کو ان کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہ بنانا۔'' [1]

ابوذر، جندب بن جنادہ الغفاری رضی اللہ عنہ

اپنی موت کے وقت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اور غلام کو وصیت کی: جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل دینا، کفن پہنا کر راستے کے بیچ میں رکھ دینا اور جب پہلا گزرنے والا قافلہ آئے تو ان سے کہنا: یہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی میت ہے۔

جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو چکی تو ان دونوں نے ایسا ہی کیا، اچانک قافلہ نمودار ہوا، قافلے والے انہیں نہ پہچان سکے حتی کہ اس قدر نزدیک آ گئے کہ قریب تھا وہ قافلہ ان کی میت روند ہی ڈالتا، وہ قافلہ کوفہ کی طرف سے آ رہا تھا اور اس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ انہوں نے کہا: یہ کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن

---

[1] صحیح البخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: باب قصّة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، ۳۷۰۰۔

مسعود رضی اللہ عنہ کے منہ سے چیخ بلند ہوئی، آپ رونے لگے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا:

((رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا ذَرٍّ، يَمْشِي وَحْدَهُ، وَ يَمُوْتُ وَحْدَهُ، وَ يُبْعَثُ وَحْدَهُ)) ❶

''ابوذر رضی اللہ عنہ پر اللہ رحم فرمائے وہ اکیلا رہے گا، تنہائی (آبادی سے دور دراز علاقے) میں اسے موت آئے گی اور وہ تنہا ہی اٹھایا جائے گا۔''

پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سواری سے اترے اور ان کے لیے تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا یہاں تک کہ انہیں شہر میں اتار دیا گیا۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر کے بھانجے سے پوچھا: ابوذر نے ترکہ میں کیا چھوڑا ہے؟ اس نے بتایا: دو گدھیاں، ایک گدھا، نیزہ اور سواری کے اونٹ۔

کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو غسل دیا تھا وہ ان کی وفات کے دس روز بعد وفات پا گئے۔

ابراہیم بن اشتر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ ربذہ مقام پر فوت ہوئے، ان کی موت کا وقت قریب آیا تو ان کی بیوی رونے لگی۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں روتی ہو؟ کہنے لگی: میں آپ کو تنہا چھوڑ کر کہیں جا بھی نہیں سکتی، اور میرے پاس ایک کپڑا بھی موجود نہیں کہ آپ کو کفن دے سکوں۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بولے مت رو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جب میں چند لوگوں کے ساتھ آپ کے پاس تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيَمُوْتَنَّ رَجُلٌ مِّنْكُمْ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ يَشْهَدُهُ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)) ❷

---

❶ المستدرك للحاكم: ٣/ ٥٢، ح: ٤٣٧٣ وقال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه وقال الذهبي: فيه ارسال۔

❷ المستدرك للحاكم: ٣/ ٣٨٨، ح: ٥٤٧٠؛ صحيح ابن حبان: ١٥/ ٥٧، ح: ٦٦٧٠؛ مسند احمد: ٥/ ١٥٥، ح: ٢١٣٧٣؛ وقال شعيب الارناؤط: اسناده حسن۔

''تم میں سے ضرور ایک آدمی بیاباں میں فوت ہوگا اور اس کے پاس مومنوں کی ایک جماعت ہوگی۔''

ان میں سے اس وقت سبھی کسی نہ کسی بستی میں یا لوگوں کے درمیان وفات پا چکے ہیں۔ اب میرے سوا کوئی زندہ نہیں بچا اور میں اس ویرانے میں قریب الموت ہوں، لہٰذا تم کسی قافلے کا انتظار کرو۔ عنقریب تم میرے کہے ہوئے الفاظ کو سچ پاؤ گی، نہ تو میرے بارے میں جھوٹ کہا گیا تھا اور نہ میں نے غلط کہا ہے۔ اس پر بیوی کہنے لگی: یہ کیسے ممکن ہے کہ یہاں سے قافلہ گزرے کیونکہ حجاج کی آمد ورفت کا سلسلہ تو ختم ہو چکا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بولے: تم انتظار کرو۔

ابھی گفتگو جاری تھی کہ انہیں گھوڑوں کے چلنے کی مدہم سی آواز سنائی دی۔ جب قافلے والے ان کے قریب آئے تو رُک گئے اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ بیوی نے جواب دیا: مسلمانوں میں سے ایک شخص ہے جس کی موت قریب ہے، اسے کفن دو اور اجر پاؤ۔ قافلے والوں نے کہا: یہ کون ہیں؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جواب دیا۔ قافلے والے بولے: اُن پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں، پھر اپنے کوڑے ان کی بیوی کے سامنے رکھ کر جلدی سے ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جس حال میں ہوں وہ تم دیکھ رہے ہو۔ اگر میرے کپڑوں میں سے ایسا کپڑا مل گیا جو میرے کفن کے لیے کافی ہو تو مجھے اسی میں کفنا دینا۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے کوئی امیر (سردار) یا منتظم یا کوئی قاصد کفن نہ دے، لیکن اس قافلہ کے سبھی لوگ ایسے ہی تھے سوائے ایک انصاری نوجوان کے، اس نے کہا: آپ کا مطلوبہ شخص میں ہوں، میرے پاس اس وقت دو کپڑے ہیں جو میری ماں نے خود سوت سے کاتے تھے، ایک میں نے پہن رکھا ہے اور ایک اور ہے، ابوذر رضی اللہ عنہ بولے ہاں! تم ہی وہ شخص ہو، تم مجھے کفن پہنانا۔ [1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹے کو بلایا، انہیں پانچ باتوں کی

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۷۷۔

وصیت کی اور کہا: اے میرے بیٹے! میری ان باتوں کو یاد رکھنا۔

① دنیا والوں سے بے رغبت رہنا کیونکہ اس سے بڑھ کر غنی کوئی نہیں۔

② لوگوں سے حاجات پوری کرنے کی امید نہ رکھ کیونکہ یہ فقر کا باعث ہے۔

③ جس کام سے تجھے شرمندہ ہونا پڑے یا عذر پیش کرنا پڑے اس کام کو چھوڑ دے۔

④ گزرے ہوئے کل سے بہتر عمل صالح آج کرو۔

⑤ جب تم نماز پڑھو تو ایسی پڑھو کہ جیسے تم دنیا سے رخصت ہونے والے ہو اور یہ تمہاری آخری نماز ہے۔ [1]

ابوالدرداء، عویمر بن مالک رضی اللہ عنہ

ابن عساکر معاویہ بن قرۃ سے روایت کرتے ہیں کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اونٹ تھا جس کا نام انہوں نے دمون رکھا ہوا تھا۔ جب ان سے کوئی وہ اونٹ ادھار لیتا تو کہتے: اِس پر اتنی مقدار سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا کیونکہ اِس میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ جب وہ فوت ہونے لگے تو کہا: اے دمون! کل قیامت کے دِن اللہ کے ہاں مجھ سے مت جھگڑنا کیونکہ میں نے تمہاری طاقت سے بڑھ کر تجھ پر بوجھ نہیں ڈالا۔

عبید اللہ، ابوادریس خولانی سے بیان کرتے ہیں کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا تھے تو آپ کے پاس عیادت کرنے والوں کا ہجوم تھا، پھر لوگ گروہوں کی صورت میں آپ کی عیادت کو آنے لگے، اُن میں ابوادریس خولانی بھی تھے، وہ ہجوم کو چیر کر آپ رضی اللہ عنہ کے سر کے پاس آ بیٹھے اور "اللہ اکبر" کہنے لگے۔ جب انہوں نے کثرت سے یہ الفاظ کہے تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اپنا سر اٹھایا اور بولے: جب اللہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پسند کرتا ہے کہ اس فیصلہ پر راضی ہوا جائے (یعنی بندوں کے راضی ہو جانے کو محبوب جانتا ہے) پھر کہا: کوئی بھی ایسا شخص جو مصیبت کی کسی گھڑی میں نجات کے لیے عمل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس وقت کے لیے عمل کرے جس سے میں دوچار ہوں (یعنی موت کی سختی)، پھر بولے: ﴿وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ﴾ (٦/الانعام: ١١٠) "اور ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر

---

[1] وصایا العلماء: ١/ ٥٦۔

دیں گے۔‘‘ پھر کہنے لگے: کون ایسے وقت کے لیے عمل کرتا ہے جس سے میں گزر رہا ہوں، ایسی آفت کے لیے کون عمل کرتا ہے، میں جس میں مبتلا ہوں، یہ الفاظ کہتے کہتے ہی آپ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی۔ [1]

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ جب قریب الموت تھے تو انہوں نے گھر والوں سے کہا: میرا بستر گھر کے صحن میں لگا دو۔ جب ایسا کر دیا گیا تو بولے: میرے خادم، غلام، ہمسائے غرض ہر اس شخص کو میرے پاس لاؤ جس کا میرے ہاں آنا جانا تھا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا خیال ہے کہ میرا یہ دِن اِس دنیا میں آخری دِن ہے اور یہ رات آخرت کی زندگی کی پہلی رات ہے، میں نہیں جانتا کہ میں نے اپنے ہاتھ یا زبان سے کس کس کو تکلیف پہنچائی ہے، اور اللہ کی قسم! کل قیامت کے دِن ہر ایک سے قصاص لیا جائے گا اور مجھے یہ گوارا نہیں ہے، لہٰذا میری جان نکلنے سے پہلے ہی مجھ سے بدلہ لے لو۔ سب نے مشترکہ کہا: آپ ایک اچھے سرپرست اور بہترادب سکھانے والے ہیں، ان میں سے کسی نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ نے کسی خادم سے کبھی برا نہیں کہا۔

اس پر عبادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: سو کیا تم سب نے مجھے معاف کر دیا ہے؟ سب نے جواب دیا: ہاں! آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا۔ پھر کہنے لگے: اب میری وصیت غور سے سنو! میں تم میں سے کسی کا بھی اپنے لیے رونا پسند نہیں کرتا، جب میری روح قبض کر لی جائے تو تم احسن انداز سے وضو کرنا، پھر تم میں سے ہر کوئی مسجد میں جا کر (نفلی) نماز پڑھے، پھر میرے لیے اور اپنے لیے دعائے مغفرت کرنا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ﴾ [2] ’’اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔‘‘

اس کے بعد میری قبر کھودنے میں جلدی کرنا، میرے جنازے کے ساتھ آگ مت لے جانا اور نہ مجھے ارغوانی (یا سرخ) رنگ کا کفن پہنانا۔ [3]

---

[1] وصایا العلماء: ۱/ ۵۶۔ [2] ۲/البقرۃ: ۴۵۔

[3] وصایا العلماء: ۱/ ۵۶۔

سلیم مالکی بصری کہتے ہیں کہ میں نے عطاء بن رباح رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: میں نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے پوچھا: بوقت رخصت تمہارے باپ کی وصیت کیا تھی؟ تو اس نے بتایا: میرے بابا نے کہا تھا: اے میرے بیٹے! اللہ سے ڈرتا رہ اور جان لے کہ تب تک تو اللہ سے ڈرنے والا نہیں کہلا سکتا اور علم کے کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک تو اللہ وحدہ کی بلاشرکت غیرے عبادت نہ کرے اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔ تو میں نے کہا: ابا جان! میں اچھی اور بری تقدیر پر ایمان کیونکر لا سکتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: تو یہ کامل یقین رکھ کہ جو چیز تجھے مل گئی وہ تجھ سے خطا ہونے والی نہ تھی اور جو تجھ سے خطا ہو گئی وہ تجھے کسی صورت ملنے والی نہیں، اگر تو اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مر گیا تو جہنم کا مستحق قرار پائے گا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

((إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ: أُكْتُبْ! فَقَالَ: مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: أُكْتُبِ الْقَدْرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ)) [1]

''یقیناً اللہ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ قلم تھا (پیدا کرنے کے بعد) اللہ نے اس سے کہا: لکھ!، اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ اللہ نے حکم دیا: تقدیر لکھ، جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔''

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

خلیفۂ مظلوم (یہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مظلومیت کی حالت میں محاصرے کے اندر شہادت پائی) روزہ سے تھے، جب افطار کا وقت ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کرنے والوں سے افطار کرنے کے لیے میٹھا پانی مانگا تو انہوں نے جواب دیا: آپ کے پاس گھر میں کنواں ہے، اس سے پانی پی لیں اور خود (صاف، میٹھا) پانی دینے سے انکار کر دیا، اِس وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ روزہ افطار نہ کر سکے، آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ نائلہ بنت قرافصہ پانی کی تلاش میں گئیں تو کچھ لوگوں کے پاس پینے کا پانی تھا، انہوں نے پانی کا ایک پیالہ ان کو دے دیا، جب وہ پانی لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں تو تب تک فجر طلوع ہو چکی

---

[1] سنن الترمذی، کتاب القدر، باب اعظام امر الایمان بالقدر: ٢١٥٥: صححہ الحافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ۔

تھی، بیوی نے کہا: یہ پانی لے لیں، میں آپ رضی اللہ عنہ کے لیے لائی ہوں، آپ نے کہا: میں نے (بغیر کچھ کھائے پیئے) روزہ رکھا ہے اور اب تو فجر طلوع ہو چکی ہے۔ نائلہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ نے کہاں سے کھانا کھایا ہے حالانکہ میں نے آپ کے پاس کھانا لاتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا؟ آپ نے جواب دیا: میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چھت سے میرے پاس آئے۔ آپ کے پاس پانی کا ایک ڈول تھا، مجھ سے فرمایا: اے عثمان! کیا انہوں نے تمہارا محاصرہ کر رکھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا: کیا انہوں نے تمہیں پیاسا رکھا ہے؟ میں نے جواب دیا: جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ڈول میری طرف بڑھایا اور فرمایا: عثمان! اس میں سے پیئو! میں نے پیا، یہاں تک کہ سیر ہو گیا اور میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ فرمایا: اور پیئو! میں نے پھر پیا حتی کہ مزید پینے کی گنجائش نہ رہی، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمان! لوگ تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کریں گے اگر تو چاہے تو ان سے لڑائی کر، تجھے غلبہ و فتح عطا کی جائے گی اور اگر چاہے تو انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دے اور ہمارے ہاں آج کا روزہ افطار کر۔ لہٰذا میں نے یہ پسند کیا ہے کہ ان کے پاس روزہ افطار کروں۔ [1]

یہ محاصرہ ذوالقعدہ کے آخری ایام سے لے کر جمعہ کے دِن اٹھارہ ذوالحج تک جاری رہا۔

شہادت سے ایک دِن پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں موجود انصار اور مہاجرین، جن کی تعداد تقریباً سات سو تھی، ان میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حسن، حسین، مروان، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی کثیر تعداد بھی تھی، سے کہا:

"جس جس پر میرا حق ہے میں اسے قسم دے کر کہتا ہوں کہ اپنے ہاتھوں کو (خانہ جنگی سے) روکے رکھے اور اپنے گھر میں واپس چلا جائے"

آپ کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عزیزوں اور ان کے بیٹوں کا ایک جم غفیر تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے کہا: جو اپنی تلوار کو بے نیام نہیں کرے گا وہ آزاد ہے، اس

---

[1] فضائل الصحابة، لأحمد بن حنبل: ٤٨٩/١، المنامات لابن ابی الدنیا: ٦٦/١

طرح آپ نے جنگ سے انہیں روک دیا لیکن بیرونی باغیوں کا گروہ ابھی بھی مشتعل تھا اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچانے پر مصر تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو لوگ گھر میں موجود تھے ان کے امیر (کمانڈر) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے اور جب آپ نے انہیں باز رہنے پر مجبور کیا تو آپ کے پاس سے سب سے آخری میں جو صحابی باہر گئے وہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ تھے۔

اس کے بعد کثیر بن صلت رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کثیر! مجھے لگتا ہے کہ آج میں شہید کر دیا جاؤں گا، کثیر بن صلت رضی اللہ عنہ بولے: اے امیر المومنین! اللہ دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد فرمائے، کیا آپ کے لیے کوئی ایسی بات کہی گئی ہے یا آپ کے لیے کوئی وقت مقرر کر دیا گیا ہے؟ حضرت عثمان نے جواب دیا: نہیں، ایسی بات نہیں ہے بلکہ گزشتہ رات میں جاگتا رہا تھا، جب سحری کا وقت ہوا تو مجھے اونگھ آ گئی، میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ان کے ساتھ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: ''تم ہم سے دور نہیں رہو گے، ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' پھر آپ رضی اللہ عنہ اسی دِن شہید کر دیئے گئے۔ [1]

ابو یعلی موصلی اور عبداللہ بن امام احمد، ابو سعید سے بیان کرتے ہیں جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس غلام آزاد کیے اور پائجامہ منگوایا اور اسے پہنا، آپ نے اسے نہ تو جاہلیت میں پہنا تھا اور نہ اسلام میں، لیکن اس وقت اسے پہن لیا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا ہے انہوں نے مجھ سے کہا تھا: ''صبر کرو! آج تم ہمارے پاس روزہ افطار کرو گے'' پھر قرآن کریم کا نسخہ منگوایا، اسے سامنے رکھ کر قرأت کرنے لگے۔ جب آپ کو شہید کیا گیا تو تب بھی مصحف مبارک آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔

اس دن آپ رضی اللہ عنہ نے پائجامہ اس لیے پہن لیا تھا تاکہ جب آپ کو شہید کیا جائے تو آپ کا ستر عیاں نہ ہو کیونکہ آپ بہت زیادہ حیا کرنے والے تھے حتی کہ آپ سے آسمان کے

---

[1] المنامات لابن ابی الدنیا: ۱/ ۱۲۳؛ مسند البزار: ۲/ ۶۹۔

فرشتے بھی حیا کرتے تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ [1] اس کے بعد آپ قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے اور اللہ عزوجل کے فیصلہ پر سرِ تسلیم خم کرلیا۔ آپ نے جنگ سے اپنے آپ کو روک لیا (کیونکہ خانہ جنگی سے بالیقین اسلام کی قوت کمزور پڑتی) اور ان لوگوں کو سختی سے حکم دیا جو آپ کے حمایتی تھے کہ میری خاطر جنگ نہ لڑی جائے، اگر عثمان رضی اللہ عنہ اپنے حمایتیوں کو رک جانے پر مجبور نہ کرتے تو ضرور دشمنوں پر انہیں غلبہ عطا کیا جاتا لیکن اللہ کا فیصلہ طے شدہ ہے۔ [2]

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ جس دِن عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور باغیوں نے آپ پر حملہ کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا:

أَرَى الْمَوْتَ لَا يُبْقِي عَزِيْزًا وَلَمْ يَدَعْ
لِعَاذٍ مَلَاذًا فِي الْبِلَادِ وَ مَرْتَعًا

''میں نے دیکھا ہے کہ موت کسی عزیز کو باقی نہیں چھوڑتی اور نہ کسی پناہ طلب کرنے والے کے لیے لذت وسرور کی جگہ یا موقع ہی مہیا کرتی ہے۔''

جب آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو لوگوں نے آپ کے سامان میں لکڑی کا ایک صندوق دیکھا، اس میں سے ایک ورق ملا جس پر لکھا تھا: یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے:

---

[1] سیدہ عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حجرہ میں تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلی مبارک سے چادر ہٹی ہوئی تھی۔ اتنے میں (سیدنا) ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، کچھ دیر باتیں کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی حالت میں بیٹھے رہے پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے گئے، تھوڑی دیر بعد (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ اجازت طلب کر کے اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی حالت میں بیٹھے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باتیں کیوں اور چلے گئے، اس کے بعد (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی، ان کے آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اسی ہیئت میں رہے پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے تو بھی آپ نے پروا نہیں کی لیکن جب عثمان آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس سے حیا کیوں نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔'' مسند احمد (الموسوعة الحديثية: ٢٤٣٣٠؛ وهو حديث صحيح)

[2] البداية والنهاية: ٧/ ٢٠٦۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عثمان بن عفان اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ جنت و دوزخ برحق ہیں۔ اللہ ضرور اہل قبور کو دوبارہ کھڑا کرے گا، اس دن کے لیے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یقیناً اللہ وعدہ خلافی کرنے والا نہیں، اسی عقیدہ وایمان پر ہم زندہ ہیں، اسی پر جان، جان آفریں کے سپرد کرتے ہیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اسی یقین کے ساتھ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔'' [1]

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''دوست (یعنی ملک الموت) تب آیا ہے جب میں فاقہ سے ہوں، اب جو نادم ہوا وہ کامیاب نہ ہوگا، اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میرا یہ عمل خلوص نیت پر مبنی ہے کہ فقیری میرے نزدیک مالداری سے زیادہ محبوب تھی اور بیماری مجھے تندرستی سے بڑھ کر عزیز تھی، اور موت مجھے عیش وعشرت سے زیادہ پسند ہے تو میرے لیے موت کو آسان کر دے تا کہ میں تجھ سے مل سکوں۔ [2]

جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حذیفہ رضی اللہ عنہ قریب الموت تھے تو کہنے لگے: میں فاقہ سے ہوں اور میرا دوست (ملک الموت) آیا ہے، جو پشیمان ہوا وہ فلاح نہ پائے گا، میں ہمیشہ ڈرتا رہا مگر آج کے دن اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں۔

ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ رات کے شروع حصہ میں آپ پر غشی طاری ہو گئی، جب ہوش میں آئے تو پوچھا: یہ رات کا کون سا پہر ہے؟ بتایا گیا کہ سحر کا ابتدائی وقت ہے تو کہنے لگے: میں جہنم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں (یہ الفاظ دو یا تین مرتبہ کہے) پھر کہا: میرے لیے دو کپڑے خریدو (تا کہ تکفین کا انتظام ہو سکے) لیکن زیادہ گراں قیمت مت خریدنا کیونکہ اگر اللہ مجھ سے راضی ہوا تو ان سے بہتر لباس مجھے عطا کیا جائے گا اور اگر معاملہ اس

---

[1] وصایا العلماء: ۱/ ٤٤۔ [2] حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۲۸۲۔

کے برعکس ہوا تو یہ لباس بہت جلد مجھ سے چھین لیا جائے گا۔ ❶

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حذیفہ رضی اللہ عنہ پر موت کا وقت آیا تو کہنے لگے: اے موت تو مجھ پر اپنی بے ہوشیوں کے ساتھ چھا جا، مجھ پر سختی کر، اس کے بعد بھی میرے دِل میں تیری محبت ہی ہوگی۔ جو آخری وقت میں نادم ہوا وہ کامیاب نہ ہوگا، تیرے بعد عیش و عشرت کا سامان ہے، میرا دوست (ملک الموت) تب آیا ہے جب میں فاقہ سے ہوں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے فتنہ کے شر سے مکمل طور پر محفوظ رکھا ہے۔ ❷

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

اپنی موت کے وقت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رونے لگے، کسی نے پوچھا: آپ کو کس چیز نے رُلایا ہے؟ تو بولے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم میں سے کسی کا بھی ساز وسامان ایک مسافر کے زادِ راہ سے زیادہ نہ ہو، لیکن میرے پاس تو بہت سا متاع ہے۔

جب آپ کے سامان کا جائزہ لیا گیا تو ایک ٹب، ایک بڑا پیالہ اور وضو کرنے کا ایک برتن تھا جن کی قیمت ۱۳ سے ۱۹ درہم کے درمیان تھی۔

حبیب بن حسن اور حمید بن مورق العجلی بیان کرتے ہیں کہ موت کے قریب سلمان رضی اللہ عنہ رونے لگے، جب رونے کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا اور فرمایا تھا:

((لِيَكْفِ مِنْكُمْ كَزَادِ الرَّاكِبِ)) ❸

''تمہارے لیے اتنا سا سامان ہی کافی ہونا چاہیے جتنا کہ ایک مسافر کے پاس ہوتا ہے۔''

جب آپ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو دیکھا گیا کہ آپ کے سامان میں ایک پالان، ایک بستر اور چند اشیا تھیں جن کی قیمت تقریباً بیس درہم تھی۔

عامر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ موت سے پہلے سلمان رضی اللہ عنہ پر خوف و گھبراہٹ

---

❶ حلية الاولياء: ١/ ٢٨٢۔ ❷ وصايا العلماء: ١/ ٥٤۔

❸ المعجم الكبير للطبراني: ٦/ ٢٦١ ح: ٦١٢٠۔

کے آثار تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ کس چیز نے آپ کو پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے؟ حالانکہ آپ بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے والے ہیں، آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت سی جنگوں میں مال غنیمت اور فتوحات حاصل کی ہیں۔ بولے: بوقتِ رخصت نبی ﷺ نے ہم سے وعدہ لیا تھا: ((لِیَکُنْ زَادُ الْمُؤْمِنِ کَزَادِ الرَّاکِبِ)) ❶ ''مومن کا متاع ایک مسافر کے زادِ راہ جتنا ہونا چاہیے۔'' بس یہ بات ہی مجھے غم میں مبتلا کر رہی ہے۔

عامر کہتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ کے مال کی قیمت، جو وہ چھوڑ کر گئے تھے پچیس دینار تھی۔ ❷

ابوسفیان اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہیں روتا ہوا پایا، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابوعبداللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے تھے تو آپ سے راضی تھے اور آپ کو حوض کوثر پر خوش آمدید کہیں گے، سلمان بولے: میں موت کی سختیوں یا دنیا کی حرص کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ مجھے تو رسول اللہ ﷺ کی نصیحت یاد آ رہی ہے، آپ نے فرمایا تھا:

((لِتَکُنْ بُلْغَةُ أَحَدِکُمْ مِثْلَ زَادِ الرَّاکِبِ)) ❸

''تمہارے گزران کی اشیاء مسافر کے متاع جتنی ہونی چاہئیں۔''

لیکن میرے اردگرد تو بہت سا سامان ہے۔ حالانکہ آپ کے ترکہ میں، ٹب، پیالہ اور وضو کے برتن کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمیں کوئی نصیحت کیجیے! تاکہ آپ کے بعد ہم اس پر عمل کر سکیں۔ سلمان رضی اللہ عنہ بولے: اے سعد رضی اللہ عنہ! اللہ کو ان اوقات میں یاد رکھنا:

① جب تو کسی کام کا ارادہ کرے۔

② جب تجھے حاکم بنایا جائے۔

---

❶ المعجم الکبیر للطبرانی: ٦/ ٢٦٨؛ صحیح ابن حبان: ٢/ ٤٨١، صححه الشیخ الالبانی رحمه الله: الصحیحة: ١٧١٦۔

❷ بعض راویوں نے چند دراہم اور بعض نے چند دینار کا ذکر کیا ہے۔

❸ المستدرك للحاکم: ٤/ ٣٥٣؛ سنن ابن ماجه: ٤١٠٤، عن انس رضی الله عنه، حسنه الحافظ زبیر علی زئی رحمه الله

③ جب تو مال تقسیم کرے۔

شعبی کہتے ہیں کہ جب مقام ''جلولاء'' کو فتح کیا گیا تو سلمان رضی اللہ عنہ کو کستوری کی ایک تھیلی ملی، وہ انہوں نے اپنی بیوی کو دے دی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا تو کہنے لگے: وہ تھیلی لے آؤ! پھر اسے پانی میں بھگویا اور بیوی سے بولے: اِسے میرے اردگرد نچوڑ دو کیونکہ میرے پاس اس وقت وہ لوگ زیارت کو آرہے ہیں جو نہ تو انسان ہیں اور نہ جن۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: وہ لوگ خوشبو کو محسوس کرتے ہیں لیکن کھانا نہیں کھاتے۔

سعید بن سوقہ بیان کرتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھے، ہم ان کی عیادت کو گئے تو وہ اپنی بیوی سے کہنے لگے: تم نے اس کستوری کا کیا کیا ہے جو ہم ''بلنجر'' (ایک علاقہ کا نام ہے) سے لائے تھے؟ بیوی وہ کستوری لے آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اس کو پانی میں ڈال دو اور اچھی طرح حل کرو، پھر وہ پانی میرے بستر کے گرد چھڑک دینا کیونکہ اس وقت میرے پاس ایسے لوگ آرہے ہیں جو انسان یا جن نہیں ہیں (اور یقیناً وہ فرشتے ہوں گے)، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سعید بن سوقہ کہتے ہیں: اس کے بعد ہم وہاں سے چلے گئے، جب دوبارہ آئے تو انہیں فوت شدہ پایا۔ اللہ ان پر راضی ہو۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی بیوی بقیرہ نے جزل کو بتایا کہ موت کے قریب سلمان رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور بولے: میرے گھر کے سارے دروازے کھول دو۔ بقیرہ! میرے پاس آج کچھ معزز لوگ آئیں گے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کس دروازے سے داخل ہوں گے، پھر انہوں نے اپنی کستوری کی تھیلی لانے کو کہا، میں جب لے آئی تو بولے: اسے میرے بستر پر چھڑک دو اور تم خود مجھ سے دور رہو، کچھ دیر بعد آنا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں جب آپ کے بستر کے پاس گئی تو ان کی روح قبض کی جا چکی تھی اور آپ ایسے پرسکون تھے جیسے ایک سویا ہوا شخص مطمئن ہوتا ہے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سلمان رضی اللہ عنہ نے ایک دِن کہا: ہم

دونوں میں سے جو پہلے مرگیا اس کی حالت دوسرے کو دکھائی جائے گی (ممکن ہے کہ آپ کی مراد خواب ہو) میں نے پوچھا: کیا واقعی ایسا ہوا؟ سلمان رضی اللہ عنہ بولے: ہاں! مومن کی روح آزادی ہوتی ہے، وہ جہاں چاہتی ہے زمین پر سیر کرتی رہتی ہے اور کافر کی روح قید کردی جاتی ہے۔عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ایک دِن میں دوپہر کو اپنے بستر پر قیلولہ کر رہا تھا کہ میں نے خواب میں سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ میرے پاس آئے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا، میں نے سلام کا جواب دیا اور دریافت کیا کہ انہوں نے کیسا ٹھکانہ پایا ہے؟ وہ بولے: بہت اچھا، اور آپ بھی اللہ پر بھروسہ رکھئے کیونکہ اُس کی ذات پر توکل بہت اچھی چیز ہے۔ یہ بات انہوں نے تین مرتبہ دھرائی۔ ❶

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ

امام احمد، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غزوۂ ذات عشیرہ میں امیر بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا:

((یَا اَبَا تُرَابٍ! اَلَا اُحَدِّثُکَ بِاَشْقَی النَّاسِ رَجُلَیْنِ؟))

''اے ابو تراب! کیا میں تمہیں لوگوں میں سے دو سب سے زیادہ بدبخت آدمیوں کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟''

ہم نے کہا: کیوں نہیں اللہ کے رسول! ضرور آگاہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اُحَیْمِرُ ثَمُوْدَ الَّذِیْ عَقَرَ النَّاقَةَ وَالَّذِیْ یَضْرِبُکَ یَا عَلِیُّ عَلٰی هٰذِهٖ۔ یَعْنِیْ: قَرْنِهٖ حَتّٰی یَبُلَّ هٰذِهٖ۔ یَعْنِیْ: لِحْیَتَهٗ))

''احیمر جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں (قوم ثمود کا بدبخت ترین آدمی اور اے علی! دوسرا وہ شخص جو تمہارے سر پر (قاتلانہ) وار کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اور آنسوؤں سے آپ کی داڑھی مبارک تر ہوگئی۔'' ❷

ابو فضالہ انصاری، بدری بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی

---

❶ صفوة الصفوة ١/ ٥٣٣؛ الطبقات الكبرىٰ: ٤/ ٩١۔

❷ مسند احمد (الموسوعة الحديثية): ١٨٣٢١۔

بیماری نے شدت اختیار کی تو وہ اپنے باپ کے ساتھ ان کی عیادت کو گئے (حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دنوں جھینہ قبیلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے) آپ رضی اللہ عنہ سے میرے باپ نے کہا: آپ یہاں کیوں مقیم ہیں؟ (آپ کی بیماری شدت پکڑ چکی ہے) اگر اِسی جگہ آپ رضی اللہ عنہ کو موت نے آلیا تو ضرور جھینہ قبیلہ والے آپ کو مدینہ لے چلیں گے یا پھر آپ کے ساتھی یہاں آ کر آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے: نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا (کہ مجھے اِدھر ہی موت آجائے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں تب تک نہیں مروں گا جب تک میرے سر سے خون نکل کر میری داڑھی کو بھگو نہ دے، لہٰذا ایسا ہی ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ [1]

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ خوارج [2] کا سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈریئے، یقیناً آپ مر جانے والے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا: نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور ہر جان کو پیدا کیا ہے، میں قتل کیا جاؤں گا، اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے زخم سے خون بہہ کر اسے سرخ کر دے گا، یہ وعدہ کیا جاچکا ہے اور تقدیر لکھی جاچکی ہے اور جو بہتان باندھے وہ نامراد رہے گا۔ [3]

حسن ابن کثیر اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دِن حضرت علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے گھر سے نکلے تو بہت سی مرغابیاں آپ کے سامنے آ کر پھڑ پھڑانے لگیں، کثیر نے انہیں پرے دھکیلا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: انہیں چھوڑ دو یہ نوحہ کرنے والیاں ہیں (آپ رضی اللہ عنہ نے تاویلاً ایسا کہا)۔ تب ابن ملجم نے آپ رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ [4]

جس رات آپ رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا گیا اس سے اگلی صبح ابن سیاج فجر کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تاکہ نماز کے لیے بلا سکے لیکن آپ رضی اللہ عنہ بوجھل طبیعت کے ساتھ لیٹے رہے، اس نے دوبارہ بلایا تب بھی آپ رضی اللہ عنہ نے جواب نہ دیا حتی کہ اس نے تیسری مرتبہ پکارا تو آپ

---

[1] مسند احمد (الموسوعة الحديثية): ٨٠٢، وقال محققه: اسناده ضعيف۔

[2] ایک نام نہاد اسلامی فرقہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔

[3] مسند ابوداود الطيالسي: ١٥٢، ١/ ١٣٣؛ طبع دار هجر مصر۔

[4] فضائل الصحابة لامام احمد: ٢/ ٥٦٠؛ تاريخ دمشق لابن عساكر: ٤٢/ ٥٥٥۔

اٹھے اور کہنے لگے:

شُدَّ حَيَازِيْمَكَ لِلْمَوْ تِ فَإِنَّ الْمَوْتَ لَاقِيْكَ
لَا تَجْزَعْ مِنَ الْمَوْتِ إِذَا حَلَّ بِوَادِيْكَ

① اپنے دل ودماغ کو موت کے لیے تیار کر لو (اس کے لیے رختِ سفر باندھ لو) کیونکہ وہ تو لامحالہ آ کر رہے گی۔

② اور جب وہ تمہارے آنگن میں اتر آئے تو جزع وفزع مت کرو۔

جب آپ دروازے کے پاس پہنچے تو عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ کو گرفت میں لے کر آپ پر وار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا: رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ آپ کو اٹھا کر اندر لے جایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ مجھ پر حملہ کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ اسے پکڑ لیا گیا ہے، آپ نے کہا: اس کے ساتھ نرمی کرنا، اسے میرے کھانے سے کھلاؤ اور میرے پینے سے پانی مہیا کرو، اگر میں زندہ رہا تو اس کا فیصلہ خود کروں گا اور اگر میں جانبر نہ ہو سکا تو اسے ایک ہی وار میں قتل کر دینا، ایک ضرب سے زیادہ مت مارنا۔ [1]

امام حاکم، شعبی سے بیان کرتے ہیں کہ حملہ آور کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا: اس کے ساتھ بہترین برتاؤ کرو اور کھانے پینے کی چیزیں فراہم کرو۔ اگر میں زندہ رہا تو اس کا فیصلہ خود کروں گا، اگر چاہوں تو سزا دوں اور اگر چاہوں تو اس سے بدلہ لوں گا اور اگر تم اسے قتل کرو تو اس کا مثلہ مت کرنا۔ [2]

آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ وہ آپ کو غسل دیں اور فرمایا: بہت مہنگا کفن مت خریدنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا ہے کہ "کفن خریدنے میں اسراف مت کرو کیونکہ وہ بہت جلد چھین لیا جاتا ہے" اور تم میری میت کو لے کر میانہ روی سے چلنا، نہ تو بہت تیز رفتاری سے جانا اور نہ سست روی سے کیونکہ اگر میرے ساتھ بھلائی کا معاملہ طے ہو چکا ہے تو تم مجھے جلد اس تک پہنچاؤ گے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو تم ایک

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر: ٤٢/ ٥٥٥۔

[2] مسند الشافعی: ٣/ ٢٩٥، السنن الکبریٰ للبیہقی: ٨/ ٣١٧

بوجھ کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔ ❶

امام حاکم صعصعہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت ابن ملجم نے آپ کو زخمی کیا تھا، ہم نے آپ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ ہم پر خلیفہ مقرر کر جائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں اسی حالت میں الوداع کہتا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں الوداع کہا تھا، ہم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم پر اپنا جانشین مقرر کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اللہ تم میں بھلائی پائے گا تو تم میں سے بہترین انسان کو تمہارا سرپرست (والی) بنا دے گا۔'' لہٰذا اللہ نے ہم میں بھلائی دیکھی اور ہم پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ ❷

آپ رضی اللہ عنہ کے پاس عبدالرحمن بن ملجم کو لایا گیا اور اس کی مشکیں کس دی گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

اے اللہ کے دشمن! کیا میں نے تیرے ساتھ احسان نہیں کیا تھا؟

ابن ملجم: ضرور کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: پھر تجھے اس قبیح حرکت پر کس نے آمادہ کیا؟

ابن ملجم: میں نے چالیس دِن تک اپنی تلوار کی دھار تیز کی، پھر پختہ ارادہ کیا کہ اس کے بندوں میں سے سب سے بدترین انسان کو اِس سے قتل کروں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: میری رائے ہے کہ تجھے بھی اسی سے قتل کر دیا جائے، اور میں گمان کرتا ہوں کہ تو اللہ کی مخلوق میں سے بدترین انسان ہے۔

پھر فرمایا: اگر میں مر جاؤں تو اسے (قصاصًا) قتل کر دینا اور اگر زندہ رہا تو میں بہتر جانتا ہوں کہ مجھے اس سے کیا سلوک کرنا ہے۔

جندب بن عبداللہ نے دریافت کیا: اے امیر المومنین! اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا ہم حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں، تم اس بات کی زیادہ بصیرت وفہم رکھتے ہو۔

---

❶ وصایا العلماء: ١/ ١٤۔ ❷ المستدرك للحاكم: ٣/ ١٥٦: ٤٦٩٨

بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ام کلثوم نے ابن ملجم سے کہا: تیرے لیے بربادی ہو! تو نے کیوں امیر المومنین کو قتل کرنے کا ارادہ کیا؟

ابن ملجم: میں نے صرف تیرے باپ پر وار کیا ہے۔

ام کلثوم: اللہ انہیں مصیبت سے بچائے۔

ابن ملجم: پھر تو رو کیوں رہی ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے ان پر ایسا وار کیا ہے کہ اگر اہل مصر کو یہ زخم پہنچتا تو وہ سب مر جاتے۔ اور اللہ کی قسم! میں اس تلوار کو ایک ماہ تک زہر آلود کرتا رہا ہوں۔ میں نے ایک ہزار (دینار یا درہم) میں اسے خریدا ہے اور اتنی ہی رقم اسے زہر آلود کرنے میں خرچ کی ہے۔

عقبہ بن ابو صہباء کہتے ہیں کہ جب ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا تو آپ کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میرے بیٹے! کیوں روتے ہو؟

حسن رضی اللہ عنہ: میں کیوں نہ روؤں؟ یہ دن دنیا میں آپ کا آخری دن ہے اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: میرے بیٹے سنو! میری چار باتوں کو یاد رکھو اور ان کے علاوہ بھی چار باتوں کو ذہن میں رکھنا، جب تک تم ان پر عمل کرتے رہو گے تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا۔

حسن رضی اللہ عنہ: ابا جان! وہ باتیں کون سی ہیں؟

① سب سے بڑھ کر غنیٰ عقل مندی ہے۔
② سب سے بڑا فقیر بے وقوف ہے۔
③ تعجب سب سے بڑی وحشت ہے۔
④ حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں۔

یہ تو چار باتیں ہوئیں، اب تو مزید چار باتیں سن لے!

① احمق کی دوستی سے بچتے رہو، وہ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا۔ مگر درحقیقت تجھے نقصان پہنچائے گا۔

② جھوٹے شخص کو دوست نہ بناؤ، کیونکہ جو لوگ تیرے قریب ہیں وہ ان کو دور کر دے گا اور جو دور ہیں، انہیں تیرے قریب کر دے گا۔

③ بخیل کی مقاربت سے دور رہو، جو لوگ تیرے محتاج ہیں وہ انہیں تیرے پاس نہیں پھٹکنے دے گا۔

④ فاجر (گناہگار انسان) کو دوست مت بنانا، وہ تمہیں کم قیمت میں بیچ ڈالے گا۔ (تیرے لیے گھاٹے کو پسند کرے گا)۔

وفات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں وصیت نامہ لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں جنہیں اس نے ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہان والوں کا رب ہے، اس کا کوئی ہم پلہ نہیں، اسی (عقیدہ وایمان) کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ تم بھی اسلام پر کاربند رہتے ہوئے مرنا اور اللہ کی رسی (دینِ اسلام) کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھنا اور تفرقہ میں نہ پڑ جانا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا ہے، آپ فرما رہے تھے کہ

((إِنَّ صَلَاحَ ذَاتِ الْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ))

''دو فریقین کے درمیان صلح کروا دینا عمومی نماز اور روزہ سے افضل عمل ہے''

اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھنا اور ان سے صلہ رحمی کرتے رہنا، اس کے بدلے میں اللہ تم پر حساب کتاب آسان کر دے گا۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ یتیموں کا خیال رکھنا، ان سے چھین کر ناحق مال کو اپنا تر نوالہ مت بنانا۔ اور اللہ کے لیے اپنے ہمسائے کا خیال رکھنا، کیونکہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

یہی نصیحت ہے، وہ ہمیں ہمسائے کے بارے میں اتنی تلقین کرتے کہ ہم نے گمان کیا کہ شاید اسے مال میں وارث بنا دیا جائے گا۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ تمہارے علاوہ دوسرے لوگ اس پر عمل پیرا ہو کر تم سے سبقت لے جائیں، اپنی نمازوں کی محافظت کرنا کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہیں' تم جب تک زندہ رہو بیت اللہ کو (دشمنوں کے لیے) خالی مت کرنا۔ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے سے اعراض مت کرنا۔ اللہ کی قسم! زکوۃ پر مداومت رکھنا کیونکہ یہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرنے والی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے عہد کو توڑ کر اپنے آپ پر ظلم کے مرتکب مت ہو جانا، فقراء اور مساکین کا خاص خیال رکھنا، انہیں اپنی معیشت میں شریک کرنا۔ اپنے غلام باندیوں کے حقوق ادا کرنا، نماز، نماز کو کبھی ترک نہ کرنا، اللہ کے دین پر عمل کرنے کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے سے خائف مت ہونا، وہ خود ہی تمہیں نقصان پہنچانے والے اور تم سے سرکشی کرنے والے سے نمٹ لے گا۔ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آنا۔ اگر تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے منہ موڑ لیا تو تم پر بدترین لوگوں کو امیر بنا دیا جائے گا اور پھر اللہ تمہاری دعاؤں کو قبول نہیں کرے گا۔ تم آپس میں میل جول رکھنا اور فیاض رہنا، باہم دشمنی، قطع تعلقی اور تفرقہ بندی سے بچنا۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی معاونت کرنا اور گناہ اور زیادتی پر کسی کو مدد فراہم مت کرنا، اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔ اس نے تمہارے درمیان اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کو محفوظ اور بہترین مقام عطا کیا ہے۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت نازل ہو۔'' [1]

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی،۱/۹۷؛ قال الشیخ الالبانی رحمہ اللہ: اسنادہ ضعیف معضل؛ ارواء الغلیل: ٦/٧٦۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ لا إلہ الا اللہ کے علاوہ کوئی بات نہ کہہ سکے۔ زخمی ہونے کے تین دِن بعد آپ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ [1]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا آخری کلام یہ تھا: ﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۞ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۞ ﴾ [2] پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔''

عمرو بن العاص السہمی رضی اللہ عنہ

اپنی وفات کے وقت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نہایت غم کی حالت میں رونے لگے، ان کے بیٹے عبداللہ نے وجہ پوچھی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ابا جان! اللہ کی طرف سے جو بھی آزمائش آپ پر آئی ہے آپ اس پر ہمیشہ صبر ہی کرتے ہیں۔ لہٰذا اب بھی صبر کیجئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے میرے بیٹے! تیرے باپ پر (ایک نہیں) تین آزمائشیں آئی ہیں۔

① اب میرے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

② (موت اور قبر کی) ہولناک گھڑیوں کا آغاز ہو جائے گا۔

③ میرے عزیز مجھ سے جدا ہو جائیں گے (لیکن یہ مصیبت پہلی دو مصائب سے آسان ہے)۔

پھر آپ بولے: اے اللہ! تو نے احکامات دیئے ہیں لیکن میں نے ان پر عمل کرنے میں تغافل برتا، تو نے کچھ کاموں سے روکا ہے لیکن میں نے تیری نافرمانی کی ہے (اب میں تیری بخشش کا طلبگار ہوں کیونکہ) معاف کر دینا اور درگزر کرنا تیسرا وصف عالی ہے۔

ابن شماسہ کہتے ہیں، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب اپنی حیات کے آخری لحات میں تھے تو ہم ان کے پاس گئے۔ انہوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف موڑ لیا اور کافی دیر تک روتے رہے۔ ان کے بیٹے نے ان سے کہا: ابا جان! کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشخبری نہیں سنی؟ اس پر عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ ہماری جانب کیا اور بولے: میں نے اس

---

[1] تاریخ الامم والملوك للطبری: ۳/ ۱۵۸۔

[2] ۹۹/ الزلزال: ۷،۸۔

وقت کے لیے (موت کے لیے) جو بہترین عمل کیا ہے وہ یہ گواہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، میں اپنی زندگی میں تین حالتوں پر رہا ہوں:

① مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص ناپسند نہیں تھا اور میں ان سے بڑھ کر کسی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ مجھے اس پر غلبہ حاصل ہو اور میں اسے قتل کر دوں۔ اگر میں اسی حالت میں مر جاتا تو ابدی جہنمی قرار پاتا۔

② جب اللہ عزوجل نے میری تقدیر میں اسلام جیسی نعمت لکھ دی تو میں محمد ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد ﷺ! اپنا ہاتھ کھولیے! میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں، جب آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا کر بند کر لیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمرو! اب کیا ہوا؟ میں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ ایک شرط پر اسلام قبول کروں۔ آپ نے فرمایا: کس شرط پر؟ میں نے عرض کی: یہ کہ میرے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو جانتا نہیں کہ اسلام قبول کرنے سے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور ہجرت بھی پہلے کیے گئے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج کرنے سے بھی گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں؟

لہٰذا میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔ تب سے آج تک مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں، ان سے بڑھ کر میری نگاہوں میں کوئی عزت و عظمت والا نہیں۔ اگر میں چاہوں کہ ان کی شانِ جلالت اور مرتبتِ عالی کو بیان کروں تو یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ ان کی ہیبت و رفعت کے باعث میں کبھی بھرپور نگاہ سے انہیں دیکھ ہی نہیں پایا تھا۔ اگر میں اسی حالت میں فوت ہو جاتا تو امید تھی کہ میں اہل جنت میں سے ہو جاؤں۔

③ اس کے بعد مجھے کچھ ایسے کاموں کی سپردگی دی گئی کہ میں نہیں جانتا کہ نتیجہ کے طور پر میری حالت کیسی ہے۔ پس اگر میں اب اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دوں تو میرے جنازہ کے ساتھ نوحہ کرنے والی عورت یا آگ کو مت لے جانا، جب تم مجھے دفن کر دو تو میرے اوپر مٹی کو بکھیر دینا پھر اتنی دیر تک میری قبر کے پاس ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے، تاکہ میں تمہاری موجودگی سے پرسکون

رہوں یہاں تک کہ میرے پاس حساب لینے والے فرشتے آ جائیں۔ [1]

جب آپ رضی اللہ عنہ قریب الموت تھے تو آپ نے کہا: مجھے بٹھا دو، انہیں بٹھا دیا گیا تو انہوں نے وصیت کی:

"جب تم دیکھو کہ میری روح قبض کر لی گئی ہے تو میرے ترکہ میں سے میری تجہیز و تکفین کا بندوبست کرنا، مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا، میری پشت پناہی کرتے رہنا کیونکہ میں اس کا ضرورت مند ہوں۔ میری قبر لحد والی بنانا اور دفن کرنے میں جلدی کرنا، پھر میری میت پر مٹی ڈال دینا۔"

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے رب سے عرض کی: اے اللہ! عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تیرے احکامات کی خلاف ورزی کی ہے، تیری منہیات کا مرتکب ہوا ہے، تیرے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں، تو ہی معبود ہے، یہ تین مرتبہ کہا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر اللہ سے پناہ طلب کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔ [2]

ابو عباس مبرد اپنی کتاب "الکامل" میں ذکر کرتے ہیں کہ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا تو ان کے پاس ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے اور کہنے لگے: اے ابو عبداللہ! میں نے کئی مرتبہ یہ بات سنی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کاش ایسا ہو کہ میں کسی دانا آدمی کی زندگی کے آخری لحات میں اس کے پاس جاؤں اور اس سے دریافت کروں کہ وہ جان کنی کے عالم میں کیا محسوس کرتا ہے، لہٰذا اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ خود کو کیسا پاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے آسمان، زمین پر آ گرا ہے اور میں اس کے نیچے آ گیا ہوں اور سوئی کے سوراخ جتنی جگہ ہے جہاں سے میں سانس لے سکتا ہوں۔"

پھر کہنے لگے: اے اللہ! مجھ سے میری جان لے لے، تاکہ تو راضی ہو جائے، اسی اثنا میں ان کے بیٹے عبداللہ ان کے پاس آئے اور بولے: ابا جان! یہ صندوق پکڑ لیجیے (ان کا یہ کہنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کے لیے تھا) جواب دیا: نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں

---

[1] وصایا العلماء: ١/ ٦٩۔ [2] الطبقات الکبریٰ: ٧/ ٤٩٣۔

ہے۔ بیٹے نے پھر کہا: اس میں آپ کا مال ہے۔ پھر گویا ہوئے: مجھے اس کی حاجت نہیں، کاش کہ یہ مینگنیوں سے بھرا ہو (دنیا اور اس کے مال سے بے رغبتی ظاہر کی) پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور اللہ سے دعائیہ انداز میں بولے: اے اللہ! تو نے احکامات دیئے اور ہم نے ان کی خلاف ورزی کی، تو نے روکا لیکن ہم نے وہ افعال سرانجام دیئے، میں بری نہیں ہوں کہ عذر پیش کروں اور نہ ایسا مضبوط ہی ہوں کہ اپنی مدد کے لیے (تیرے علاوہ) کسی کو پکار سکوں، لیکن تو ہی ایسا معبود ہے جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی۔ [1]

ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

اپنی وفات کے وقت حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے غلاموں (یا بیٹوں) کو بلایا اور ان سے کہا: جاؤ! میرے لیے قبر کھودو، اور دیکھو اسے وسیع اور گہری رکھنا، جب واپس آئے تو انہیں بتایا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں قبر وسیع اور گہری کھودی گئی ہے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ قبر دو مقامات میں سے ٹھہرنے کا ایک مقام ہے۔ یا تو میری قبر میرے لیے وسیع وعریض کر دی جائے گی حتی کہ ہر سمت سے ۴۰ ہاتھ فراغ ہو گی، پھر میرے لیے اس میں ایک کھڑکی جنت کی طرف کھول دی جائے گی جہاں سے میں اپنی زوجات (حور عین)، اپنے اعلیٰ مقام اور اس ساز وسامان کو دیکھوں گا جو اللہ نے میری عزت و تکریم کی خاطر تیار کر رکھا ہے۔ تب وہ ٹھکانہ میرے آج کے گھر بار (دنیا) سے بہتر ہو گا پھر مجھے جنت کی طرف آنے والے خوشبو اور ہوا کے جھونکے سکون دیں گے یہاں تک کہ مجھے دوبارہ قیامت کے دِن اٹھایا جائے گا۔

اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا (میں اللہ سے ایسے انجام سے پناہ طلب کرتا ہوں) تو میری قبر مجھ سے تنگ کر دی جائے گی حتیٰ کہ نیزہ کی لکڑی کی چوڑائی جتنا اسکا عرض ہو گا۔ پھر جہنم کی جانب سے ایک کھڑکی میری قبر میں کھولی جائے گی تا کہ میں جہنم کی زنجیر، طوق اور برے ہم نشینوں کا نظارہ کر سکوں، وہ ٹھکانہ میرے اس گھر (میں تغافل کی زندگی) سے زیادہ

---

[1] وفيات الأعيان: ۷/ ۲۱۵۔

میرے رہنے کے لائق ہوگا تاکہ قیامت کے دِن تک اس کی طرف سے گرم لو اور کھولتا ہوا پانی مجھ تک پہنچتا رہے۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی وصیت

اے میرے بیٹو! روٹی والے کا قصہ یاد کرو۔ پھر وہ قصہ سنانے لگے: ایک آدمی کسی عبادت خانہ میں عبادت کیا کرتا تھا، وہ ستر سال تک عبادت کرتا رہا، ایک دن وہ وہاں سے باہر نکلا، شیطان نے اس کی نگاہوں میں ایک عورت کو حسین و جمیل بنا کر دکھایا۔ وہ اس کے ساتھ سات راتیں یا سات دِن تک رہا، پھر اس کی آنکھوں سے غفلت اور گناہ کا پردہ ہٹ گیا تو وہ توبہ کر کے وہاں سے نکلا۔ واپس آتے ہوئے وہ ایک قدم اٹھاتا اور وہاں نماز پڑھتا، ہر قدم پر سجدہ کرتا۔ راستے میں اسے رات ہو گئی، وہ ایک چبوترے پر جا بیٹھا، وہاں بارہ مساکین پہلے سے بیٹھے تھے، اسے تھکن نے ادھر ہی لا گرایا۔

ایک راہب ان مساکین کو ہر رات روٹیاں بھجوایا کرتا تھا اور ہر ایک کو ایک ایک روٹی دیتا، جب تقسیم کرنے کے لیے رات کو پھر وہ آدمی آیا تو اس نے حسب عادت سب میں روٹیاں تقسیم کیں اور اُس عبادت گزار کو بھی ضرورت مند سمجھتے ہوئے ایک روٹی دے دی (شاید اس کے دِل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہو کہ میں دوسروں کی نسبت زیادہ مستحق ہوں، یہ سوچ کر اس نے وہ روٹی چھپا لی) اور تقسیم کرنے والے آدمی سے کہا: مجھ سے تغافل کیوں؟ تو نے مجھے روٹی نہیں دی؟ تقسیم کرنے والا بولا: اگر تو دو روٹیاں لینا چاہتا ہے تو میں ایسا ہرگز نہیں کرنے والا۔ تو دوسروں سے پوچھ لے، میں نے ہر ایک کو ایک ایک روٹی ہی دی ہے، کیا میں نے تیرا حق مارا ہے؟ اللہ کی قسم! آج میں تجھے کچھ نہیں دوں گا۔ عبادت گزار نے پہلے والی روٹی اسے واپس لوٹا دی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ عبادت گزار اسی رات مر گیا۔ اس کے حساب کے وقت، وہ ستر سال جو اس نے عبادت میں گزارے تھے اور وہ سات دِن جو اس نے گناہ میں گزارے تھے

انہیں تولا گیا تو گناہ کے سات دِن وزن میں بڑھ گئے۔ پھر ان سات دِنوں کا وزن اس ایک روٹی کے ساتھ کیا گیا (جس کو اس نے اللہ پر توکل چھوڑ کر چھپالیا تھا) تو روٹی والا پلڑا بھاری ہو گیا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے بیٹو! یہ قصہ یاد رکھو۔ [1]

حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

اصمعی بیان کرتے ہیں کہ عمران بن عبداللہ نے بتایا: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی آنکھوں کے درمیان ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝﴾ [2] لکھا ہوا ہے، آپ اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ بات جب سعید بن مسیب رحمہ اللہ تک پہنچی تو انہوں نے کہا: اگر واقعی انہوں نے یہ خواب دیکھا ہے تو ان کی حیات فانی ختم ہونے والی ہے۔ [3]

اور ایسا ہی ہوا، اس خواب کے بعد آپ رضی اللہ عنہ ایک دِن ہی زندہ رہے۔

عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں اور ایک قریشی نوجوان حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے۔ آپ کے پاس باہر سے ایک آدمی آیا، کچھ دیر کے بعد وہ چلا گیا تو حسن رضی اللہ عنہ بولے: میرے معدے میں جو کچھ تھا میں نے وہ باہر اُلٹ دیا ہے (یعنی قے کر دی ہے) مجھے پہلے بھی کئی مرتبہ زہر دیا گیا ہے لیکن اس بار جو زہر مجھے دیا گیا ہے وہ بہت مہلک ہے۔

پھر میرے ساتھ جو آدمی تھا، حسن رضی اللہ عنہ اس سے کہنے لگے: اگر مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھ لو، شاید تم پھر کبھی مجھ سے سوال نہ کر سکو۔ وہ آدمی بولا: اللہ آپ کو عافیت میں رکھے، میں آپ سے کچھ نہیں پوچھنا چاہتا۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ پھر ہم وہاں سے چل دیے اور اگلے دِن آپ کی عیادت کو دوبارہ گئے۔ تب آپ کے قریب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، وہ آپ سے پوچھنے لگے: آپ کو زہر دینے والا کون ہے؟

حسن بولے: کیا تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو؟

حسین رضی اللہ عنہ: ہاں۔

---

[1] حلية الأولياء: ١/ ٢٦٥؛ صفوة الصفوة: ١/ ٥٦١۔

[2] ١١٢/الاخلاص: ١۔

[3] البداية والنهاية: ٢٠٦/١١؛ طبع دار هجر، تحقيق: عبدالله بن عبدالمحسن التركي۔

حسن رضی اللہ عنہ: اگر اس شخص کے بارے میں میرا گمان درست ہے تو میں یہ معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں کیونکہ اللہ سخت انتقام لینے والا ہے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: اللہ بہت سخت سزا دینے والا اور سخت پکڑ کرنے والا ہے۔ اور اگر میرا گمان اس کے بارے میں غلط ہوا تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی بے گناہ کی گردن ماردی جائے۔ [1]

ام بکر بنت مسور بیان کرتی ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا اور ہر مرتبہ آپ شفایاب ہو گئے لیکن جب آپ کو آخری بار زہر پلایا گیا تو وہ آپ کے جسم میں جلد سرایت کر گیا اور آپ کی موت واقع ہوگئی۔ بنو ہاشم کی عورتیں ایک ماہ تک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی موت پر نوحہ کناں رہیں۔

واقدی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ بنو ہاشم کی عورتوں پر حسن رضی اللہ عنہ کی موت کی وجہ سے ایک سال تک سوگواری طاری رہی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں تین مرتبہ زہر دیا گیا اور تیسری مرتبہ آپ جانبر نہ ہو سکے۔ آپ پر جب زہر کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے تو طبیب نے بتایا کہ اس زہر کی وجہ سے آپ کی انتڑیاں کٹ چکی ہیں۔

اس دوران حضرت حسین نے آپ سے پوچھا: اے ابومحمد! مجھے بتایئے کہ کس نے یہ قبیح حرکت کی ہے؟

حسن رضی اللہ عنہ: کیوں پوچھ رہے ہو؟

حسین رضی اللہ عنہ: اللہ کی قسم! آپ کو دفنانے سے پہلے میں اسے فنا کے گھاٹ اتار دوں گا، اگر میں بذات خود اس پر قدرت نہ پا سکا یا وہ کہیں دور دراز علاقہ میں پہنچ چکا ہوا تو میں دوسرے آدمیوں کو اس کی تلاش میں بھیج دوں گا۔

حسن رضی اللہ عنہ: میرے بھائی سنو! یہ دنیا تو صرف چند فانی راتوں کا مجموعہ ہے۔ اُسے جانے دو، میں چاہتا ہوں کہ وہ (مجھے زہر دینے والا) اور میں قیامت کے دن اکٹھے اللہ کے دربار میں حاضر ہوں۔ اور آپ نے اس کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔

---

[1] البداية والنهاية: ١١/ ٢٠٧۔

جعدہ بنت اشعث بیان کرتی ہیں کہ جب حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلایا گیا تو آپ نے بیماری کے چالیس دن نہایت لاغری اور بے چارگی کے عالم میں گزارے۔ 1 اسی طرح رقبہ بن مصقلہ کہتے ہیں کہ جب حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا آخری وقت تھا تو وہ کہنے لگے: میرا بستر باہر صحن میں لگا دو تا کہ میں آسمانِ دنیا کا نظارہ کرسکوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور بولے:

''اے اللہ میں اپنی جان کو ثواب کی امید پر تیرے حوالے کرتا ہوں، مجھے اپنی جان دنیا و مافیھا سے عزیز ہے (اللہ نے ان پر احسان عظیم کیا تھا کہ نیکی کی راہ پر چلتے ہوئے انہیں موت آئی تو انہوں نے اللہ کی ملاقات پر پس و پیش نہ کی)۔'' 2

ابونعیم کہتے ہیں کہ جب حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی تکلیف شدت اختیار کر گئی تو آپ بے قرار ہو گئے، ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابومحمد! یہ بے قراری اور اضطراب کیسا؟ اِس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی روح جسدِ خاکی سے جدا ہو جائے گی لیکن آپ اپنے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نانی خدیجہ رضی اللہ عنہا، اپنے بابا علی رضی اللہ عنہ، اپنی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا، اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ، ماموں قاسم، طیب، مطہر اور ابراہیم، اسی طرح آپ اپنی خالاؤں رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اور زینب رضی اللہ عنہا سے جاملیں گے یہ سن کر آپ نے فرحت محسوس کی۔ 3

ایک روایت میں ہے کہ یہ بات کہنے والے حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے اور اس کے جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بھائی! مجھے قضا و تقدیر کا ایسا معاملہ درپیش ہے کہ ایسا معاملہ مجھے پہلے پیش نہیں آیا۔ اس سے ان کی مراد موت تھی۔ اور میں اِس وقت ایسی مخلوق کو دیکھ رہا ہوں کہ آج سے قبل میں نے ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا (آپ کی مراد ملک الموت اور ان کے ہمراہ فرشتے تھے)۔

بنو سعد بن بکر کے آزاد کردہ غلام، مساور سے مروی ہے کہ جس دن حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے، میں نے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد

---

1 البداية والنهاية: ۱۱/۲۰۸۔ 2 البداية والنهاية: ۱۱/ ۲۰۹۔
3 البداية والنهاية: ۱۱/ ۲۱۰۔

نبوی میں کھڑے باآوازِ بلند پکار رہے تھے کہ اے لوگو! آج کے دن رسول اللہ ﷺ کے محبوب (نواسے) کی وفات ہوئی ہے، یہ سن کر تمام لوگ رونے لگے۔

ان کے جنازے میں شرکت کرنے والوں کی تعداد اِس قدر زیادہ تھی کہ بقیع کا میدان تنگ پڑ گیا۔[1]

ذہبی کہتے ہیں کہ ہمیں لوگوں کی کثیر تعداد نے بتایا کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر موت کا وقت آیا تو انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے بھائی! جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو لوگوں نے منصبِ خلافت کے لیے تمہارے بابا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو منتخب کرنا چاہا، لیکن اللہ نے یہ بارِ گراں اِن سے دور کر دیا، اِسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بہت سی نگاہیں ان کی طرف اٹھیں لیکن اللہ نے اپنے فضل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس شوریٰ میں میرے بابا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو بھی رکنیت دی، اِس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی آپس میں عداوت نہ تھی، پھر خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سونپ دی گئی اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی گئی اور پھر کچھ سرکش لوگوں نے اسے توڑ دیا حتیٰ کہ پھر معاملہ یہاں تک بگڑا کہ تلواریں بے نیام ہوئیں اور ان کا قصاص طلب کیا گیا۔

اور میرا خیال ہے کہ اللہ ہم اہل بیت میں نبوت اور خلافت کو جمع نہیں فرمائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اہل کوفہ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے اور تمہیں تمام معاملات سے بے دخل کر دیا ہے۔

میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی تھی کہ مرنے کے بعد میں ان کے حجرے میں دفن ہو جاؤں، انہوں نے اجازت دے دی تھی، شاید انہوں نے حیا اور تکریم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجازت دے دی ہو۔ اب اگر میں فوت ہو جاؤں تو تم دوبارہ ان سے اجازت طلب کرنا، میرا یقین ہے کہ لوگ اِس بات کو تسلیم نہیں کریں گے، اگر انہوں نے واقعی ایسا کیا تو مجھے بقیع میں دفنا دینا۔

---

[1] البداية والنهاية: ١١/ ٢١١۔

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو دوبارہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت مانگی گئی کہ کیا انہیں ان کے حجرے میں دفن کر دیا جائے تو انہوں نے بخوشی اجازت دی اور فرمایا: یہ میرے لیے باعث عزت ہوگا کہ نواسۂ رسول اور جگر گوشۂ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے حجرہ میں ازلی نیند سوئیں۔

جب یہ بات مروان تک پہنچی تو اس نے کہا: دونوں نے غلط بات کہی ہے، اللہ کی قسم! وہ اس جگہ کبھی دفن نہیں کیے جائیں گے۔ لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حجرہ میں دفن کرنے سے روک دیا تھا، اب یہ چاہتے ہیں کہ حسن کو وہاں دفن کریں۔ ❶

ابوبکرہ نفیع بن الحارث بن کلدۃ رضی اللہ عنہ

حسن بن دینار، حسن رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ موت کے وقت ابوبکرہ نے کہا: میری وصیت لکھ کر محفوظ کر لو۔ چنانچہ کاتب کو بلوایا گیا تو اس نے لکھنا شروع کیا: یہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا موت کے وقت میں اپنی حیثیت بدل دوں؟ نہیں اسے مٹا دو اور یوں لکھو: یہ نفیع حبشی کی وصیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام تھا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل میرا رب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں، اسلام میرا دین اور کعبہ میرا قبلہ ہے۔ توحیدِ باری تعالیٰ کا اقرار کرنے والے جس اجر کے امیدوار ہوتے ہیں میں بھی اسی اجر کی امید کرتا ہوں (یعنی جنت) اُس کی ربوبیت کا یقین رکھنے والے، وعدوعید پر اعتقاد رکھنے والے، اس کے عذاب سے خائف اور اس کی سزا کے بارے میں سن کر کپکپانے والے، اس کی رحمت کی آس لگائے ہوؤں کی مانند میرا بھی یہی ایمان ہے کہ اللہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ ❷

حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ

سعید بن عبدالرحمن بن حسان بن ثابت کہتے ہیں کہ ہمارے پردادا ابومنذر ایک سو بیس سال زندہ رہے، پھر دادا منذر نے بھی اتنی ہی عمر پائی، اس کے بعد ان کے بیٹے ثابت (یعنی حسان رضی اللہ عنہ کے والد) بھی ایک سو بیس سال زندہ رہے، پھر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خود بھی

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۷۹۔ ❷ وصایا العلماء: ۵۵/۱۔

ایک سو بیس سال عمر پائی۔

شاعرِ اسلام، مداح رسول ﷺ، جبریل علیہ السلام کی معیت سے مشرف، حسان رضی اللہ عنہ جب موت سے ہمکنار ہونے لگے تو انہوں نے آگ جلائی، اپنے عزیز واقارب کو جمع کیا اور یہ شعر کہا:

وَاِنَّ امْرَأً أَمْسَى وَأَصْبَحَ سَالِمًا
مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَا جَنَى لَسَعِيْدُ

لوگوں میں سے وہ شخص خوش قسمت ہے جو صحیح سالم رہے اور بخیریت شب و روز گزارے (اور نیکی بھی کرتا ہو) سوائے اس کے جس نے گناہ ہی کمایا (وہ بدبخت ہے)۔

ان کے بعد عبدالرحمن بن حسان رضی اللہ عنہما نے اسی سے کچھ سال اوپر عمر پائی، اپنی موت کے وقت انہوں نے بھی آگ جلائی، اپنے رشتہ داروں کو اکٹھا کر کے یہ شعر پڑھا:

وَاِنَّ امْرَأً نَالَ الْغِنَى ثُمَّ لَمْ يُنِلْ
صَدِيْقًا لَهُ مِنْ فَضْلِهِ لَكَفُوْرُ

یقیناً وہ شخص ناشکرا ہے جو صاحب مال وغنی ہے لیکن اس میں سے کچھ بھی اپنے دوست کو پیش نہیں کرتا۔

پھر حسان رضی اللہ عنہ کے پوتے سعید بن عبدالرحمن نے بھی اسی سال سے زائد عمر گزاری اور اپنی موت کے وقت کہا:

وَاِنَّ امْرَأً دُنْيَاهُ يَطْلُبُ رَاغِبًا
لِمُسْتَمْسِكٍ مِنْهَا بِحَبْلٍ غَرُوْرُ

یہ دنیا (اور اس کا عیش و آرام) جس کے پیچھے انسان یوں دوڑتا ہے کہ جیسے ہمیشہ اسی میں پر تعیش زندگی گزارے گا، صرف دھوکے کا جال ہی ہے۔ [1]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

مرض الموت میں سعد رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ میرے لیے لحد والی قبر بنانا اور اس پر

---

[1] المستدرك للحاكم، ٣/ ٥٥٤، ح: ٦٠٥٧۔

اینٹیں رکھ دینا جیسے رسول اللہ ﷺ کی قبر بنائی گئی تھی۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت اون کا ایک بوسیدہ سا جبہ منگوایا اور کہنے لگے: مجھے اس میں کفنانا، جنگ بدر میں اسی جبہ کو پہن کر میں نے مشرکین کا سامنا کیا تھا، اور اِسی دِن (یعنی موت) ہی کے لیے اِسے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ ❶

عامر بن عبداللہ العنبری رحمۃ اللہ علیہ

عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی زندگی کے آخری لحات میں تھے تو رونے لگے، جب ان سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی اور انہیں ان کا مقام ومرتبہ یاد دلایا گیا تو کہنے لگے: مجھے یہ آیت غمزدہ کر رہی ہے:

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ ❷

''اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔'' ❸

ام المومنین، سیدہ عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے پہلے ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آئے اور تعریفی کلمات کہنے لگے: آپ کو اس وقت فرحت محسوس کرنی چاہیے کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، انہوں نے آپ کے علاوہ کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا اور اللہ نے آپ کی برأت آسمان سے نازل کی، اس کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما آئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: دیکھو! عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میری تعریف کر رہے ہیں لیکن مجھے تو یہ پسند ہے کہ آج میری مدح کوئی نہ کرے۔ میں تو چاہتی ہوں کہ میری یاد بھی لوگوں کے ذہن سے محو ہو چکی ہوتی۔ ❹

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

عمارہ بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ موت کے قریب حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے

---

❶ وصايا العلماء، ١/ ٤٥۔ ❷ ٥/المائدة: ٢٧۔

❸ تفسير الطبرى: ٨/ ٣٢٧ ❹ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ٨/ ٧٤۔

اپنے بیٹوں کو وصیت کی:

اے میرے بیٹو! میں تمہیں تین باتوں سے منع کرتا ہوں انہیں ذہن نشین کرلو:

① صرف ثقہ راوی ہی سے حدیث رسول ﷺ کو قبول کرنا۔

② بوسیدہ لباس پہننا گوارہ کرلینا لیکن قرض مت لینا۔

③ شاعری کو شغف مت بنانا، یہ تمہارے دِلوں کو قرآن سے غافل کردے گی۔ [1]

ابوہریرہ، عبدالرحمٰن الدوسی رضی اللہ عنہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے رونے لگے، پوچھا گیا کہ آپ کو کیا بات رُلا رہی ہے؟ فرمایا: میں تمہاری اس دنیا سے رخصت ہو جانے کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ مجھے تو یہ فکر لاحق ہے کہ سفر آخرت بہت لمبا ہے لیکن میں بے سروسامان ہوں۔ اِس وقت میں ایسی بلندی پر موجود ہوں جس کے ایک طرف آگ ہے اور ایک طرف جنت ہے، میں نہیں جانتا کہ دونوں میں سے میرا ٹھکانہ کون سا ہے؟ [2]

ابوسلمہ رضی اللہ عنہما ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھ پر نوحہ مت کرنا، میرے جنازہ کے ساتھ آگ مت لے جانا اور دفن کرنے میں جلدی کرنا۔ ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جب اس کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب دیا: مجھے سفر کی ہولناکی اور بے سروسامانی رُلا رہی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس مرض میں وفات پائی اس دوران مروان ان کے پاس آئے اور کہا: اللہ آپ کو شفا عطا فرمائے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: اے اللہ! میں تجھ سے ملنے کا اشتیاق رکھتا ہوں پس تو بھی میری ملاقات کو محبوب جان۔ مروان واپس چلے گئے۔ ابھی بازار تک پہنچے تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موت سے ہمکنار ہو گئے۔ [3]

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: ١٧/ ٢٦٨۔

[2] شعب الايمان للبيهقي: ١٣/ ٢٠٨؛ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ٤/ ٣٣٩۔
تاريخ دمشق لابن عساكر: ٧٦/ ٣٨٣۔

[3] الاصابة في تمييز الصحابة: ٧/ ٤٤٤۔

انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری قبر کے اوپر خیمہ مت لگانا اور نہ جنازے کے ساتھ آگ ہی کو لے کر جانا اور اسے قبر تک لے جانے میں جلدی کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا تھا:

((إِذَا وُضِعَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ أَوِ الْمُؤْمِنُ عَلَى سَرِيرِهِ قَالَ: قَدِّمُونِي، وَ إِذَا وُضِعَ الْكَافِرُ اَوِ الْفَاجِرُ عَلَى سَرِيرِهِ قَالَ: يَا وَيْلَتِيْ اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِيْ))

''(موت کے بعد) جب صالح یا مومن انسان کو اس کی چارپائی پر لٹایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مجھے جلد لے کر چلو، اور جب کافر یا فاجر کو چارپائی پر لٹایا جاتا ہے تو وہ چلاتا ہے کہ ہائے افسوس! مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' [1]

---

[1] سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة: ۱۹۰۹؛قال الحافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ: اسنادہ حسن؛ مسند احمد:۲/ ۲۹۲؛ صحیح ابن حبان: ۷٦٤۔

معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ

مرض الموت میں مبتلا ہونے سے پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا: ''میرا حال اس کسان کی مانند ہے جس کی بوئی ہوئی فصل تیار ہو چکی ہے اور اب اس کی کٹائی کا وقت ہے۔ میرا دورِ امارت کافی طویل ہو چکا ہے، حتی کہ میں نے تمھیں بے زار کر دیا ہے اور تم مجھ سے اکتا چکے ہو۔ اب میں تم سے الگ ہو جانا چاہتا ہوں اور تم میرے فراق کے طالب ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ میرے بعد مجھ سے بہتر شخص تم پر امیر بنے، جیسے مجھ سے پہلے گزرنے والے حکمران اور امراء مجھ سے بدرجہا بہتر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جو اللہ سے جا ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو محبوب جانتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے تیری ملاقات عزیز ہے لہٰذا تو بھی میرے ملنے کو پسند کر اور میری اس ملاقات کو بابرکت بنا۔''

اس کے چند دِن بعد ہی آپ رضی اللہ عنہ علیل ہو گئے اور جب مرض نے طول پکڑا تو انھوں نے اپنے بیٹے (یزید) کو بلایا اور کہا: اے میرے بیٹے !......اور میں نے معاملات کو تمہارے لیے آسان، دشمن کو سرنگوں اور اہل عرب کو مطیع کر دیا ہے، تمہارے لیے وہ سہولیات اور سامانِ تعیش فراہم کر دیا ہے جو کوئی اور فراہم نہیں کر سکتا۔ اہل حجاز کا خیال رکھنا، وہ تمہارے اصلِ اصیل ہیں، ان میں سے جو تمہارے پاس آئے اس کی عزت کرنا اور جو دور رہے اس کو دھیان میں رکھنا، اہل عراق اگر تم سے سوال کریں کہ تم ہر روز ان پر نیا عامل بھیجو تو ان کی بات مان لینا، ایک عامل کو معزول کر دینا اِس سے بہتر ہے کہ تجھ پر ہزاروں تلواریں سونت لی جائیں۔ اہل شام کی قدر کرنا وہ تمہارے راز دان اور قدردان بن جائیں گے۔ اگر دشمن تم پر چڑھائی کرے تو اہل شام کی مدد لینا اور دشمن پر غلبہ پا لینے کے بعد انھیں ان کے ملک میں واپس بھیج دینا کیونکہ غیر علاقہ میں رہ کر ان کے اخلاق واطوار بگڑ جائیں گے۔ میں تمہارے بارے میں چار قریشی جوانوں سے خائف ہوں کہ وہ تمھیں امیر تسلیم نہیں کریں گے اور تمہاری مخالفت کریں گے۔ وہ حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو تو عبادت ہی نے تھکا دیا ہے۔ جب ان کے علاوہ تم سے بیعت کرنے والا کوئی نہ بچے گا تو وہ خود ہی تم سے بیعت کر لیں گے، اور حسین

بن علی رضی اللہ عنہما بہت زور آور آدمی نہیں ہیں لہٰذا اہل عراق انھیں ملک بدر کر دیں گے۔ اگر وہ واقعی وہاں سے چلے جائیں اور تم فتح حاصل کر لو تو ان سے درگزر کرنا کیونکہ ان سے ہماری قریبی رشتہ داری ہے، وہ بہت حقوق رکھتے ہیں اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت داری بھی ہے۔ اور عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما جب دیکھیں گے کہ ان کے ساتھیوں نے ایک معقول عمل کیا ہے تو وہ خود بھی وہ کام کریں گے۔ ان کی زیادہ مشغولیت عورتوں اور لہو ولعب میں ہوتی ہے۔ رہا معاملہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا تو وہ شیر جیسی جسامت وطاقت رکھتے ہیں اور لومڑی کی طرح جوش کے مالک ہیں اگر انھیں موقعہ ملا تو تم پر حملہ کر کے تمہیں زیر کر لیں گے، اگر واقعی انھوں نے ایسا کیا اور تم ان پر غالب رہے تو انھیں کچل کر رکھ دینا اور جہاں تک ممکن ہو اپنی قوم کی حفاظت کرنا۔

اس روایت میں عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ محلِ نظر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے ہی وہ وفات پا چکے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیماری اور وفات کے وقت ان کا بیٹا یزید وہاں موجود نہیں تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کی اس وصیت کو ان کے بیٹے یزید تک پہنچا دیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

موت کے وقت انھوں نے ان الفاظ میں نصیحت کی: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک قمیص عطا کی تھی، میں نے اسے سنبھال کر رکھا ہوا ہے اور ایک دِن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ناخن مبارک تراشے تھے میں نے کٹے ہوئے ناخن اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ میں جب مر جاؤں تو مجھے وہ قمیص پہنا دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن مبارک پیس کر سفوف میرے منہ اور میری آنکھوں میں ڈال دینا شاید اللہ ان کی برکت سے میری مغفرت فرما دیں۔'' پھر اشہب بن زمیلہ کے یہ اشعار پڑھے:

إِذَا مِتُّ مَاتَ الْجَوْدُ وَانْقَطَعَ النَّدیٰ
مِنَ النَّاسِ اِلا مِنْ قَلِيْلٍ مُصَرَّدِ
وَرُدَّتْ أَكُفُّ السَّائِلِيْنَ وَأَمْسَكُوْا
مِنَ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا بِخِلْفٍ مُجَدَّدِ

① میرا مر جانا ایسے ہی ہے جیسے جود و سخا کے تمام ذرائع ختم ہو جائیں۔

② لوگوں کے وہ ہاتھ جو سوال کے لیے دراز ہوتے تھے اب دین و دنیا کی تمام بھلائیوں سے محروم رہیں گے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: ''میری آنکھوں میں سرمہ اور میرے سر پر تیل لگا دو۔'' انھوں نے ایسا ہی کیا اور ان کے چہرے پر بھی تیل لگا دیا۔ پھر ان کے لیے بستر لگایا گیا اور لوگوں سے کہا گیا کہ ان کے پاس آئیں، لوگ آئے اور کھڑے کھڑے ہی انھیں سلام کہا، ان میں سے کوئی بھی نہ بیٹھا، جب وہ وہاں سے باہر نکلے تو کہہ رہے تھے کہ ''یہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) بہترین انسان ہیں۔'' تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

وَتَجَلُّدِیْ لِلشَّامِتِیْنَ أُرِیْهِمْ
أَنِّیْ لِرَیْبِ الدَّهْرِ لَا أَتَضَعْضَعُ
وَإِذَا الْمَنِیَّةُ أَنْشَبَتْ أَظْفَارَهَا
أَلْفَیْتَ کُلَّ تَمِیْمَةٍ لَا تَنْفَعُ

① میری جوانمردی دشمنوں کے دلوں سے یہ غلط فہمی نکال دے کہ گردشِ ایام مجھے کمزور اور بے کس کر دے گی۔

② اور جب موت اپنے شکنجے کس لیتی ہے تو کوئی دوا اور تعویذ کام نہیں کرتا۔

پھر اپنے گھر والوں سے کہنے لگے: اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ وہ شخص پرہیزگار نہیں ہے جو اللہ سے ڈرتا نہیں۔ اپنے نصف مال کے بارے میں وصیت کی کہ اسے بیت المال میں دے دینا، ان کا خیال تھا کہ اس طرح باقی مال پاک ہو جائے گا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا مال لینے سے انکار کر دیا تھا۔

جب ان کی حالت غیر ہونے لگی تو ان کی بیٹی رملہ نے ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنے بابا جان کا بوسہ لینے لگی، اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تو جسے فرط محبت میں چوم رہی ہے وہ ایسا انسان ہے کہ جوانی سے بڑھاپے تک مال و زر میں کھیلتا رہا ہے، افسوس! کہیں

ایسا نہ ہو کہ آج اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا مرض کم وبیش ہوتا رہا، اِس دوران ایک مرتبہ انھوں نے کہا: ہمارے اور قبر کے درمیان کتنا فاصلہ رہ گیا ہے؟ یہ سن کر ان کی بیٹی شدتِ غم سے رونے لگی اور پکارنے لگی: ہائے افسوس! جب آپ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو کہنے لگے: تو میری جدائی کو ناپسند کرتی ہے لیکن بہر حال مجھے تو جانا ہی ہے۔

پھر جب آپ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ ان کے کفن کے کپڑے ہاتھ میں لے کر منبر پر چڑھے، اللہ کی حمد بیان کی اور کہا: یقیناً معاویہ رضی اللہ عنہ عرب کے لیے قابلِ فخر شخصیت تھے، عرب کے معتبر اور قابلِ اعتماد فرد تھے، اللہ نے ان کے ذریعہ سے فتنہ کو ختم کیا، بہت سے شہروں کو فتح یاب کیا، یہ ان کے کفن ہیں۔ اب ہم یہ کفن انھیں پہنا دیں گے اور پھر قبر میں ان کے اعمال کے ساتھ انھیں الوداع کہہ دیں گے، اب قیامت تک جنگ وجدال کی راہیں ہموار ہو چکی ہیں۔ پھر ضحاک نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ [1]

معاویہ بن یزید

معاویہ بن یزید جب موت کی آغوش میں جانے کے قریب تھے تو ان سے کہا گیا: آپ کوئی نصیحت یا وصیت نہیں کریں گے؟ تو جواب دیا: میں نے دنیا کی مشقتیں برداشت کر کے آخرت کا توشہ تیار نہیں کیا اور دنیا کی لذتیں بنو امیہ کے حوالے کیے جا رہا ہوں۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ معاویہ بن یزید نے لوگوں میں منادی کروائی کہ نماز کے لیے اکٹھا ہوا جائے، لوگ جب جمع ہو گئے تو ان سے کہا: اے لوگو! ایسا کام میرے سپرد کر دیا گیا ہے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں بلکہ بہت کمزور ہوں، اب میں پسند کرتا ہوں کہ یہ معاملہ (امارت) کسی ایسے انسان کے حوالے کر دوں جو مجھ سے طاقت ور ہے جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا تھا۔ اگر تم لوگ چاہو تو میں شورائی نظام کے لیے چھ (صاحب الرائے) افراد منتخب کر دیتا ہوں جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، لیکن تم میں سے اس مسندِ امارت کا اہل کوئی نہیں ہے (جو میری نگاہ میں ہو) اب میں تمہیں اسی حالت میں چھوڑتا ہوں جسے چاہو اسے اپنا امیر بنا لو۔ [2]

---

[1] الكامل في الضعفاء: ٣/ ٣٦٩۔ [2] البداية والنهاية: ٨/ ٢٣٧۔

پھر آپ منبر سے نیچے اترے اور اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوئے، تب ہی ان کی وفات ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں زہر دیا گیا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔

ابراہیم النخعی رحمہ اللہ

جب ابراہیم النخعی رحمہ اللہ کی وفات کا وقت ہوا تو وہ انتہائی بے بسی سے آہ وزاری کرنے لگے، جب ان سے وجہ پوچھی گئی تو بولے: ''اِس صورتحال سے سنگین اور کیا حالت ہوگی جس سے میں دوچار ہوں؟ مجھے امید ہے کہ میرے رب کی طرف سے ابھی ایک پیغام لانے والا آئے گا اور معلوم نہیں وہ مجھے آگ کی وعید سنائے یا جنت کی بشارت دے، اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ میرے (حساب کتاب کے) معاملہ کو قیامت تک مؤخر کر دیا جائے۔'' [1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں افسوس کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے: مجھے دنیا کے کسی معاملہ میں رنج والم نہیں ہے سوائے اِس کے کہ میں باغیوں کے گروہ سے کیوں نہ لڑا؟

مکحول روایت کرتے ہیں کہ میں اس وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا جب حجاج بن یوسف نے کعبہ پر منجنیق نصب کروائی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ اِس حرکت کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خوب مذمت کی اور سخت ناپسند کیا۔ حجاج نے ان کے قتل کا حکم بھی جاری کر دیا، اس کے کہنے پر ایک شامی آدمی نے ان پر وار کیا جس سے آپ زخمی ہو گئے، جب حجاج تک ان کے زخمی ہونے کی خبر پہنچی تو وہ (اپنی یہ حرکت چھپانے کی غرض سے) عیادت کرنے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے خود ہی میرے قتل کا حکم جاری کیا ہے اور اب عیادت کو چلا آیا ہے! تیرے اور میرے درمیان فیصلہ کرنے والا اللہ ہی کافی ہے۔ [2]

ہارون بن رئاب کہتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] وفيات الاعيان: ١/ ٢٥۔

[2] المستدرك للحاكم: ٣/ ٦٤٢، ح: ٦٣٥۔

کہنے لگے: دیکھو! قریش کے فلاں آدمی سے اپنی بیٹی کے متعلق میں نے نہایت سخت الفاظ کہے تھے، میں پسند نہیں کرتا کہ اللہ سے نفاق کی حالت میں ملوں اور تمہیں اِس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی کو اس کی زوجیت میں دے دیا ہے۔ [1]

عبدالملک بن مروان

مسھر دمشقی کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے ایک دِن دستر خوان لگوایا اور اپنے دربان کو حکم دیا کہ خالد بن عبداللہ بن خالد بن اسید کو بلا کر لائے۔

دربان: اے امیر المومنین! وہ وفات پا چکے ہیں۔

عبدالملک: پھر ان کے باپ عبداللہ بن خالد بن اسید کو ہمارے پاس لے آؤ!

دربان: وہ بھی حیات نہیں ہیں۔

عبدالملک: اچھا! چلو خالد بن یزید بن معاویہ کو بلاؤ!

دربان: وہ بھی ملک عدم کے مسافر بن چکے ہیں۔

عبدالملک: پھر فلاں اور فلاں کو بلا لاؤ! (حالانکہ انھیں خوب معلوم تھا کہ یہ سب مجھ سے پہلے فوت ہو چکے ہیں) اس کے بعد دستر خوان اٹھانے کا حکم دیا اور یہ شعر کہا:

ذَهَبَتْ لِذَّاتِيْ وَانْقَضَتْ أَيَّامُهُمْ
وَغُبِّرْتُ بَعْدَهُمْ وَلَسْتُ بِخَالِدِ

"میرے ہم عمر رفیق مجھ سے جدا ہو چکے ہیں اور ان کی عمر بھی تمام ہو چکی ہے
جبکہ میں نے ان کے بعد لمبی عمر گزاری ہے پھر بھی میں ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

کہا جاتا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت ہوا تو ان کا بیٹا ولید رونے لگا، عبدالملک بولے: کیا تم بے صبر عورتوں کی مانند آہ وفغاں کر رہے ہو؟ یاد رکھو جب میں مر جاؤں تو تم اعلیٰ سے اعلیٰ لباس زیب تن کرنا، تاکہ دشمن تم سے مرعوب رہیں اور قابل افراد کو معاملات میں امیر مقرر کرنا اور قریش سے ڈرتے رہنا۔

پھر بولے: اے ولید! اللہ نے جو امانت تمہیں سونپی ہے اس کے بارہ میں اللہ سے

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۳۹۲۔

ڈرتے رہنا، میری وصیت یاد رکھنا! میرے بھائی معاویہ سے صلہ رحمی کرنا اور اس رشتے میں میرا خیال رکھنا، میرے بھائی محمد کو جزیرہ کا امیر بنا دینا اور معزول مت کرنا۔ میرے چچا زاد علی بن عباس سے اگرچہ ہماری مخالفت ہے اور سلوک و اتفاق نہیں پھر بھی اس کے نسب اور حقوق کا خیال رکھنا اور صلہ رحمی کرتے رہنا۔ حجاج بن یوسف کی عزت و تکریم کرنا، کیونکہ اس نے شہروں کو سرنگوں کر دیا ہے اور تمہارے دشمنوں پر قہر بن کر ٹوٹا ہے، بادشاہوں کو تمہارا امیر بنا دیا ہے اور خوارج کو منتشر کر چھوڑا ہے۔ تمہارے خاندان والوں کو بکھرنے سے بچایا ہے۔ لہٰذا تم سگے بھائیوں کی طرح مل کر رہنا، جنگ میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا، اور بھلائی کے علمبردار بن جانا۔

یاد رکھو! جنگ میں ایک مقررہ وقت پر ہی خون بہا کرتا ہے اور جو دانا آدمی ہوتا ہے وہ اچھے الفاظ میں اپنے ساتھی کا ذکر کرتا ہے اور محبت سے دِلوں کو جیت لیتا ہے پھر ہر شخص اس کی تعریف میں رطب اللساں رہتا ہے۔ جب میں مر جاؤں تو لوگوں کو اپنی بیعت کے لیے بلانا جو کوئی انکار کرے اس کا فیصلہ تلوار سے کرنا۔ اپنی بہنوں سے حسن سلوک کرنا اور ان کی عزت میں کمی نہ کرنا، اِن میں سے فاطمہ مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔

جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھیں ایک دھوبی کے کپڑے دھونے کی آواز آئی، پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا: دھوبی۔ کہنے لگے: کاش میں دھوبی ہوتا اور ایک دِن میں اتنا ہی مال کماتا جس سے اُس دِن گزر اوقات کر سکوں اور خلافت کا وارث نہ بنایا جاتا۔

پھر یہ اشعار پڑھے:

لَعَمْرِیْ لَقَدْ عَمَّرْتُ فِي الدَّهْرِ بُرْهَةً
وَدَانَتْ لِي الدُّنْيَا بِوَقْعِ الْبَوَاتِرِ
وَأُعْطِيْتُ حُمْرَ الْمَالِ وَالْحُكْمَ وَالنُّهٰى
وَلِيْ سَلَّمَتْ كُلُّ الْمُلُوْكِ الْجَبَابِرِ
فَاضْحٰى الَّذِيْ قَدْ كَانَ مِمَّا يَسُرُّنِيْ
كَحُكْمٍ مَضٰى فِي الْمُزْمَنَاتِ الْغَوَابِرِ

فَيَا لَيْتَنِي لَمْ أَغْنِ فِي الْمُلْكِ سَاعَةً
وَلَمْ أَسْعَ فِي لَذَّاتِ عَيْشٍ نَّوَاضِرِ
وَكُنْتُ كَذِي طِمْرَيْنِ عَاشَ بِبُلْغَةٍ
فَلَمْ يَكُ حَتَّى زَارَ ضِيقَ الْمَقَابِرِ ❶

① میری عمر کی قسم! میں نے ایک طویل عرصہ اس زمانہ میں گزارا ہے اور دنیا میرے سامنے سر جھکائے عاجز کھڑی ہے۔

② مجھے بہترین مال، جاہ و حشمت اور عقل و شعور سے نوازا گیا ہے اور بڑے بڑے جابر بادشاہ میرے مطیع ہوئے ہیں۔

③ گزرے ہوئے زمانہ کی طرح میری وہ خواہشات جو مجھے مسرور کرتی تھیں، بھولی بسری یادوں کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔

④ افسوس! اب میں اپنی بادشاہت کے بل بوتے پر بھی زندگی کا ایک پل زبردستی نہیں حاصل کر سکتا اور مجھ سے دنیا کی آسایشوں سے محظوظ ہونے کی مہلت چھین لی گئی ہے۔

⑤ میری حیثیت اس مفلس سے بڑھ کر نہیں جو دو بوسیدہ کپڑوں کا مالک ہے اور آخر کار قبر کی کال کوٹھری اس کا ٹھکانہ ہوگی۔

ابو مسہر بیان کرتے ہیں کہ مرض الموت میں عبدالملک سے پوچھا گیا کہ آپ خود کو کیسا پاتے ہیں؟ تو جواب دیا: میں اپنی حالت کو اللہ عزوجل کے اس قول کے مصداق پاتا ہوں:

﴿وَ لَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ﴾ ❷

''اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے جس طرح پہلی بار ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا، اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہو۔''

جب ان کی حیات فانی کے آخری لمحات تھے تو انتہائی بے بسی اور ندامت کی حالت میں اپنے سر پر ہاتھ مارنے لگے اور بولے: کاش میں ایک دِن میں اتنا مال ہی کماتا جو اس دِن

---

❶ یہ معاویہ بن ابوسفیان کے اشعار ہیں اور طویل نظم کا حصہ ہیں۔ ❷ ٦/الانعام: ٩٤۔

کے گزارے کے لیے کافی ہوتا اور اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری میں مشغول رہتا۔

ایک اور راوی بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور اسے وصیت کی "شکر ہے اس ذات کا جو تمام تعریفوں کی اہل ہے کہ اس سے مخلوق کے چھوٹے یا بڑے فیصلے کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا (بلکہ وہ سب سے حساب لینے کا حق رکھتا ہے) پھر یہ اشعار کہے:

فَهَلْ مِنْ خَالِدٍ إِمَّا هَلَكْنَا
وَهَلْ بِالْمَوْتِ يَا لَلنَّاسِ عَارُ

جو ذات خود ہمیشہ قائم رہنے والی ہے اس نے ہمیں ہلاکت سے ہمکنار کیا ہے،
اے لوگو! کیا موت آنے میں کوئی عار ہے؟

مروی ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے بستر سے اٹھاؤ اور بلند کرو، ایسا ہی کیا گیا تو انھوں نے فضا میں گہرا سانس لیا اور کہا:

"اے دنیا! تو کس قدر دلکش اور رنگین ہے! تجھ میں طویل زندگی بھی کم ہے اور تیری فراوانی بھی بے حیثیت ہے، ہم تو تیرے بارہ میں دھوکے کا شکار ہی رہے۔"

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ان قراء صحابہ میں سے تھے جو حجاج کے خلاف نکلے اور "دیر جماجم" [1] میں حاضر رہے تھے۔ پھر جب اشعث کے ساتھیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو وہ اپنی جان بچا کر مکہ آ پہنچے۔ ایک مدت کے بعد خالد بن عبداللہ قسری نے انھیں گرفتار کر کے حجاج کی طرف بھیج دیا۔ خالد بن عبداللہ، ولید بن عبدالملک کی طرف سے مقرر کردہ والیٔ مکہ تھا۔

ابو حصین بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا: خالد بن عبداللہ یہاں پہنچنے والا ہے اور میں ان کی طرف سے آپ کے بارے میں خوف زدہ ہوں،

---

[1] ایک علاقہ کا نام ہے۔

میرا کہا مان لیجیے اور یہاں سے کسی دوسرے علاقے میں چلے جایئے! یہ سنتا تھا کہ نہایت تاسف سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں اس قدر چھپ کر رہ رہا ہوں کہ اب تو مجھے اللہ سے شرم آنے لگی ہے۔ میں نے کہا: یوں مت کہیے! میرا تو یقین ہے کہ آپ درحقیقت سعید (خوش قسمت) ہیں جیسے آپ کی ماں نے آپ کا نام رکھا ہے۔

پھر ایسا ہی ہوا، خالد بن عبداللہ مکہ میں آیا اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا، مجھے یہ بات، یزید بن عبداللہ نے بتائی کہ ہم سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے جب انھیں گرفتار کیا گیا، ان کی گود میں ایک چھوٹی سی بیٹی تھی۔ جب اس نے یہ صورتحال دیکھی تو رونے لگی، ہم نے بابِ جسر [1] کے پاس انھیں نہایت دکھ کے ساتھ الوداع کہا تھا۔

ابن ذکوان بیان کرتے ہیں کہ جب حجاج نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کے احکام جاری کیے تو جو سپاہی انھیں لینے کے لیے آیا اس نے راستے میں مشاہدہ کیا کہ سفر میں تین راتیں گزر چکی ہیں اور سعید رضی اللہ عنہ مسلسل دِن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات قیام کی حالت میں گزار دیتے ہیں، یہ سب جاننے کے بعد اس محافظ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ میں آپ کو ایسے شخص کے پاس لے جا رہا ہوں جو یقیناً آپ کو قتل کر دے گا (ایسے نیک انسان کا قتل سانحے سے کم نہیں ہوتا) لہٰذا آپ میری طرف سے آزاد ہیں جہاں چاہیں چلے جائیں! سعید رضی اللہ عنہ بولے: عنقریب حجاج تک یہ خبر پہنچ جائے گی کہ تم نے مجھے آزاد کر دیا ہے، اِس جرم کی پاداش میں وہ تمھیں قتل کر دے گا، میں یہ نہیں چاہتا، تم مجھے اس کے پاس ہی لے چلو۔

جب حجاج نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا تو بولے: میرا یقین ہے کہ اب مجھے ضرور قتل کر دیا جائے گا۔ میں تمھیں آگاہ کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میں نے اور میرے دو ساتھیوں نے عبادت کے دوران محسوس کیا کہ یہ گھڑیاں قبولیتِ دعا کی ہیں، چنانچہ ہم تینوں نے شہادت کی موت کی دعا کی، اُن دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے اور وہ جام شہادت نوش کر چکے ہیں جبکہ میں اس کا منتظر ہوں (گویا ان کا خیال تھا کہ جب دعا میں دِل

---

[1] ایک مقام کا نام ہے۔

مطمئن ہو اور حلاوت محسوس کرے وہ قبولیت کی گھڑیاں ہوتی ہیں)۔

عمر بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انھیں قتل کیا جانے لگا تو ان کے بیٹے نے رونا شروع کر دیا، اس پر سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بولے: بیٹا! کیوں روتے ہو؟ ستاون (۵۷) سال سے زیادہ عمر تیرے باپ کی تھی ہی نہیں۔

ربیع بن ابی صالح کہتے ہیں کہ جب انھیں حجاج کے پاس لایا گیا تو میں وہاں موجود تھا۔ ایک آدمی اس افسوس ناک صورتحال پر رونے لگا تو سعید رضی اللہ عنہ بولے: کیوں رو رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: آپ کی مصیبت کی وجہ سے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: مت روؤ! اللہ نے میری تقدیر میں ایسا لکھا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ ❶

''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔''

عون بن ابوشداد کہتے ہیں کہ جب حجاج کو بتایا گیا کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فلاں جگہ مقیم ہیں تو اس نے متلمس بن احوس کو بیس سپاہیوں کے ہمراہ (جو کہ علاقہ شام سے تعلق رکھتے تھے) بھیجا، جب وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو تلاش کر رہے تھے تو انھوں نے ایک گرجے میں ایک راہب کو پایا اور اس سے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کرنے لگے۔ اس نے کہا: اس کا حلیہ (یا صفات) مجھے بتاؤ، سب پوچھنے کے بعد راہب نے ان سپاہیوں کو اُن کا ٹھکانہ بتا دیا۔

جب وہ سپاہی سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ٹھکانے تک پہنچے تو انھیں نماز پڑھتے ہوئے پایا، وہ سجدے کی حالت میں اللہ کے سامنے مناجات کر رہے تھے، سپاہیوں نے انھیں سلام کیا اور قریب جا بیٹھے۔ انھوں نے سجدے سے سر اٹھایا، باقی نماز مکمل کی اور انھیں سلام کا جواب دیا۔

سپاہی: ہمیں حجاج بن یوسف نے بھیجا ہے، آپ کو ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔

---

❶ ۵۷/الحدید: ۲۲۔

سعید رضی اللہ عنہ: کیا میرا جانا لازمی ہے؟

سپاہی: جی ہاں!

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور حمد وثنا کی، پھر ان کے ساتھ چل پڑے۔

جب وہ دوبارہ راہب کے گرجا تک پہنچے تو راہب نے سپاہیوں سے سوال کیا: اے گھڑ سواروں کی جماعت! کیا تمہیں مطلوبہ شخص مل گیا ہے؟

سپاہی: ہاں!

راہب: میرے گرجے میں آجاؤ (ممکن ہے وہ کسی بلند جگہ پر بنا ہوا ہو) کیونکہ شیرنیاں اور شیر وغیرہ اس جگہ گھومتے پھرتے رہتے تھے۔

وہ تمام سپاہی اوپر چڑھ گئے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے گرجہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ اس پر سپاہی بولے: یقیناً آپ رضی اللہ عنہ ہم سے فرار چاہتے ہیں۔

سعید رضی اللہ عنہ: ایسی بات نہیں ہے بلکہ میں کسی مشرک کے ٹھکانہ میں پناہ لینا پسند نہیں کرتا۔

سپاہی: ہم آپ کو ایسے نہیں رہنے دیں گے کیونکہ خطرہ ہے کہ درندے آپ کو مار ڈالیں گے۔

سعید رضی اللہ عنہ: مجھے کوئی ڈر نہیں ہے۔ میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ اُن سے میری حفاظت کرے گا، اور مجھے پناہ میں رکھے گا۔

سپاہی: کیا آپ نبی ہیں۔

سعید رضی اللہ عنہ: نہیں بلکہ میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک گناہگار بندہ ہوں۔

راہب سپاہیوں سے: اُس سے کہو کہ مجھے کوئی ضمانت دے تاکہ اس پر یقین کیا جا سکے۔

سپاہیوں نے یہ بات سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو بتائی اور کہا کہ وہ راہب کو مطالبہ ضرور پورا کریں۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ: میں تمہیں اللہ کے نام کی ضمانت دیتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر اللہ نے چاہا تو میں صبح تک یہاں سے کہیں بھی نہیں جاؤں گا۔

اس بات پر راہب راضی ہو گیا اور سپاہیوں سے بولا: تم لوگ تیر کمان تیار رکھو تاکہ اِس نیک انسان سے درندوں کو دور رکھ سکو، یہ تمہاری موجودگی کی وجہ سے اندر نہیں آ رہا۔

جب وہ گرجا میں چڑھ کر بیٹھ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شیرنی چلی آ رہی ہے۔ یہ

صورتحال دیکھ کر انھوں نے تیر کمان سیدھے کر لیے لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ وہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قریب گئی اور ان سے (محبت وشفقت کے انداز میں) لپٹنے لگی اور انھیں چاٹنے لگی پھر ان کے پاس ہی اطمینان سے بیٹھ گئی، پھر ایک شیر آیا اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔

صبح جب سپاہیوں نے یہ حیرت انگیز منظر راہب کے سامنے بیان کیا تو وہ نیچے اترا اور دین کے بارے میں سعید رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا، اس نے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی سوال کیے جن کے تفصیلی جواب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے پیش کیے اور وہ راہب مسلمان ہو گیا۔

پھر سپاہی آگے بڑھے اور اپنے افعال سابقہ پر اُن سے معافی مانگنے لگے، انھوں نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اور پاؤں کو چومنا شروع کر دیا اور جس جگہ حضرت سعید بیٹھے تھے وہ مٹی سنبھال کر رکھ لی۔

پھر ان سے کہنے لگے: اے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ! ہم نے حجاج کے سامنے حلف اٹھایا ہے کہ جہاں کہیں آپ کو دیکھیں گے، گرفتار کر کے اس تک ضرور پہنچائیں گے، اس کے بدلے میں اس کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں آزاد کر دے گا۔ اب آپ ہمیں حکم دیں کہ کیا کریں؟

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: تم اپنا وعدہ پورا کرو، میں عنقریب اپنے خالق سے جا ملوں گا کیونکہ اس کے فیصلہ کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے۔

وہ لوگ چلتے گئے، جب وہ ''واسط'' مقام پر پہنچے تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ بولے: میں تمہارے ساتھ مل جل کر رہ چکا ہوں اور تمہارا احترام کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ میری موت کا وقت آ چکا ہے۔ تم مجھے آج کی رات آزاد کر دو تاکہ میں موت کی تیاری کر سکوں، منکر اور نکیر سے ملاقات کے لیے خود کو تیار کر لوں، اور عذابِ قبر کو یاد کروں، جب صبح ہو گی تو تم جہاں چاہو مجھے لے جانا۔

ان میں سے بعض نے کہا: کیا تم سنہری موقعہ گنوانا چاہتے ہو؟ اور کچھ کی رائے تھی کہ اب تم منزل مقصود پر پہنچنے والے ہو، خلیفہ کی طرف سے انعام واکرام سے نوازے جاؤ گے لہٰذا

اسے آزاد مت کرو۔

اور بعض نے ناصحانہ انداز میں کہا: اس نے تمھیں اسلام کے احکامات سے مستفید کیا ہے، تمہاری بربادی ہو! کیا شیر کی حرکات دیکھ کر بھی تمہیں عبرت حاصل نہیں ہوئی؟

جب انھوں نے یہ باتیں کرنے کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا تو وہ رو رہے تھے، ان کے بال پراگندہ تھے، رنگت ماند پڑ چکی تھی، نہ وہ کچھ کھا رہے تھے نہ پی رہے تھے، جس دن سے انہوں نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا تھا انھیں ہنستا ہوا نہیں دیکھا تھا پھر وہ سپاہی بولے:

اے زمین پر بسنے والے بہترین انسان! کاش ہم آپ کو نہ جانتے، آپ کی طرف ہمیں نہ بھیجا جاتا، ہائے افسوس! صد افسوس! ہم کسی آزمائش میں ڈالے گئے ہیں۔ قیامت کے دِن آپ ہمارا عذر اپنے رب کے سامنے پیش کیجیے گا کیونکہ ہمارا رب بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ایسا عدل کرتا ہے جس میں ظلم و زیادتی کا شائبہ تک نہیں۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا: میں تمہیں قصوروار نہیں گردانتا، میں اس فیصلے سے راضی ہوں جو اللہ نے میری تقدیر میں لکھا ہے۔

تمام سپاہی گریہ وزاری کرنے لگے، جب تھوڑی دیر کے بعد وہ کچھ سنبھلے تو ان کے کمانڈر نے کہا: میں نے آپ کی طرح گڑگڑانے والا اور پرتاثیر شیریں گفتگو کرنے والا کبھی نہیں دیکھا۔ لہٰذا اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی بات مان لیں۔

انھیں تھوڑی دیر کے لیے آزاد کر دیا گیا۔ انھوں نے اپنا سر دھویا اور اپنے کپڑے بھی دھو لیے۔ وہ رات تمام سپاہیوں نے آہ و بکاہ کرتے ہوئے گزار دی (کیونکہ وہ ایک شریف النفس انسان کو بالجبر قتل ہونے کے لیے لے جا رہے تھے۔)

جب صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ آ گئے، انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، سپاہی نیچے اترے اور ان سے مل کر رونے لگے۔ بالآخر یہ قافلہ حجاج کے پاس جا پہنچا۔ کمانڈر متلمس حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ الوداع کے سامنے حاضر ہوا۔

حجاج: کیا تم میرے پاس سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو لے آئے ہو؟

سپاہی: جی ہاں! اور ہم نے ان کے ساتھ رہ کر عجائبات کا مشاہدہ کیا ہے۔

یہ سن کر حجاج نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور بولا اسے میرے سامنے لاؤ۔ متلمس حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو الوداع اور سلام کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

جب حجاج کے پاس انھیں لایا گیا تو یہ سبق آموز مکالمہ ان کے درمیان ہوا:

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اِس جاں کی تو کوئی بات نہیں

حجاج: تم شقی بن کسیر ہو! (ایک بد بخت ہو اور شکستہ حال انسان کی اولاد ہو)۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ: نہیں! بلکہ میں سعید بن جبیر ہوں (ایسا خوش قسمت جو ایک زبردست اور عظیم انسان کا بیٹا ہے)۔

حجاج: نہیں، تم تو شقی بن کسیر ہو۔

سعید رضی اللہ عنہ: میری ماں تم سے زیادہ میرے نام کو جانتی تھی۔

حجاج: تم بد بخت و نامراد ہو۔

سعید رضی اللہ عنہ: غیب کا علم تیرے پاس نہیں بلکہ اللہ کے پاس ہے۔

حجاج: اللہ کی قسم! میں تیری زندگی کے انجام موت کو جلتی ہوئی آگ کی صورت دے دوں گا۔

سعید رضی اللہ عنہ: اگر میں جانتا ہوتا کہ حقیقت میں تو ایسا کر سکتا ہے تو تیرے سوا کسی کو معبود نہ مانتا۔

حجاج: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ: تمہاری مراد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں؟

حجاج: ہاں!

سعید رضی اللہ عنہ: وہ اولاد آدم کے سردار ہیں، اللہ کے چنیدہ ہیں (اللہ نے انھیں نبوت کے لیے چن لیا ہے) اولین و آخرین سے بہتر ہیں۔

حجاج: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ: وہ صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ انھوں نے قابل تعریف حالت میں خوش بختی کی زندگی گزاری۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمل کرتے رہے، اُس

میں تغیر وتبدل نہیں کیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار ہیں۔ اللہ نے ان کے ذریعے دین کو عزت بخشی اور تفرقہ میں پڑے ہوؤں کو متفق کیا۔

حجاج: عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سعید رضی اللہ عنہ: عمر فاروق رضی اللہ عنہ، انھیں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نے دین کے لیے منتخب کیا ہے۔ انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے طریقہ حسنہ کے مطابق زندگی گزاری ہے (دورانِ خلافت) نہ اسے بدلا اور نہ بگاڑا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ دو انسانوں میں سے ایک کے ساتھ دین کو (دنیاوی) تقویت بخشیں تو اُن دونوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادہ حقدار تھے کہ انھیں مرتبہ وفضیلت سے نوازا جاتا، لہٰذا وہ اللہ کی مخلوق میں سے خاص کردہ انسان ہیں۔

حجاج: عثمان رضی اللہ عنہ کو کیسا سمجھتے ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ: انھیں بے گناہ مظلومیت کی حالت میں شہید کیا گیا تھا۔ وہ جیش العسرۃ (غزوۂ تبوک) کو سامان فراہم کرنے والے ہیں، بئر رومہ کو اللہ کی راہ میں وقف کر کے انھوں نے اللہ سے اپنی جنت کو خرید لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے رشتۂ مصاہرت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے وحی کے بعد اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کیا۔

حجاج: علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟

حضرت سعید رضی اللہ عنہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب ترین بیٹی کا نکاح اُن سے کیا اور وہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے والدِ محترم ہیں۔

حجاج: کیا خیال ہے، علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہوں گے یا جہنم میں؟

سعید رضی اللہ عنہ: اگر (ان دونوں، جنت یا دوزخ میں سے کسی ایک میں) تو داخل ہوا تو خود دیکھ لینا۔

حجاج: معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔

حجاج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد سے اب تک جتنے خلفا گزرے ہیں ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سعید رضی اللہ عنہ: جلد ہی انھیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا کچھ تو پرمسرت ہوں گے اور کچھ حسرت زدہ، لیکن میں ان کا نگہبان نہیں ہوں۔

حجاج: تجھے اُن میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟

سعید رضی اللہ عنہ: جس سے میرا خالق سب سے بڑھ کر راضی ہے۔

حجاج: عبدالملک بن مروان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ: اگر وہ نیکوکار رہا تو اللہ سے نیکی کا اجر پائے گا اور اگر اس نے گناہ کمائے تو اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔

حجاج: میرے بارے میں کیا خیال ہے؟

سعید رضی اللہ عنہ: تو اپنے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے۔

حجاج: میں تیری رائے جاننا چاہتا ہوں۔

سعید رضی اللہ عنہ: تجھے میری رائے جان کر افسوس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حجاج: کچھ بھی ہو، اپنا خیال ظاہر کرو!

سعید رضی اللہ عنہ: میرے علم کے مطابق تو کتاب اللہ کی مخالفت کرتا ہے، تیری ذات میں کچھ ایسے خصائص ہیں کہ تو ان کے ذریعے عوام الناس پر اپنی ہیبت طاری کرنا چاہتا ہے، یہ امور تجھے ہلاکت تک پہنچا دیں گے اور عنقریب تو ان کا انجام دیکھ لے گا۔ یہ بھی سن لے کہ تو نے اللہ کی حدوں کو توڑ کر ظلم وستم کی انتہا کی ہے اور اُس کے مقرب لوگوں کو قتل کر کے ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

حجاج: اللہ کی قسم! میں اس انداز سے تیری موت کو نشانِ عبرت بناؤں گا کہ نہ اِس سے پہلے میں نے کسی کو یوں قتل کیا ہے اور نہ اس کے بعد، اللہ کی قسم! میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اور تیرے جسم کا ایک ایک عضو الگ کر دوں گا۔

سعید رضی اللہ عنہ: اِس طریقے سے تو میری دنیا کی زندگی برباد کرے گا اور میں تیری عاقبت تباہ کر

دوں گا۔ (میرے قتل سے تو جہنمی قرار پائے گا)۔

حجاج: کیا وجہ ہے کہ تم ہنستے نہیں ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ: سب کے دِل ایک سے نہیں ہوتے۔

پھر حجاج نے لعل و جواہرات اور یاقوت منگوائے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کا ڈھیر لگا دیا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ بولے: اگر تم نے قیامت کے دِن کی ہولنا کیوں سے بچنے کے لیے یہ مال جمع کیا ہے تو بہت خوب! اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر قیامت کے دِن جب صور میں پھونکا جائے گا تو دہشت کے مارے ہر ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی، تب دنیا میں جمع کی ہوئی کوئی چیز کام نہیں آئے گی سوائے اس کے جو حلال اور پاک ہو۔

اس کے بعد حجاج نے سلگنے والی ایک لکڑی منگوا کر دھونکنی سے اسے ہوا دی۔ یہ دیکھ کر سعید رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حجاج نے کہا: کیوں روتے ہو؟ کیا میرے ان افعال کو کھیل سمجھ رہے ہو؟

سعید رضی اللہ عنہ: میں تو شدتِ خوف سے رو پڑا ہوں، اِس پھونک نے مجھے صور میں پھونکا جانا یاد دلا دیا ہے اور لکڑی، اسے تو نے ناحق کاٹا ہے اور یہ رسی، یہ کسی بکری کی آنتیں ہیں جسے قیامت کے دِن تمہارے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

حجاج: اے سعید رضی اللہ عنہ! ہلاکت تیرا مقدر بنے۔

سعید رضی اللہ عنہ: ہلاکت تو اس کے لیے ہے جو جنت سے دور کر دیا گیا اور جہنم میں داخل ہو گیا۔

حجاج: بولو! کس طریقے سے قتل ہونا پسند کرو گے تاکہ تمہاری پسند کے مطابق تمہاری موت واقع ہو۔

سعید رضی اللہ عنہ: یہ بات میرے نہیں بلکہ تیرے سوچنے کی ہے کہ تم کیسی موت پسند کرتے ہو، اللہ کی قسم! اے حجاج! جیسے تو مجھے قتل کرے گا قیامت کے دِن اِسی طریقہ سے میں تجھے قتل کروں گا۔

حجاج: تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں آزاد کر دوں!

سعید رضی اللہ عنہ: اگر مجھے آزادی مل جائے تو وہ اللہ کی طرف سے ہوگی، اور اگر تو خود کو مختار سمجھتا ہے تو میں تیرے سامنے التجا یا عذر پیش نہیں کروں گا۔ (انھوں نے جس بے باکی اور للّٰہیت کا مظاہرہ کیا اس کی مثال ملنا ناممکن ہے)۔

تیرے قدموں سے نسبت جن کو ہے وہ سر جھکیں کیونکر
کسی مغرور کے در پر، کسی سلطان کے آگے

حجاج: اسے لے جاؤ اور قتل کر دو، (اس نے سپاہی کو حکم دیا کہ تلوار اور تیر سے ان کا کام تمام کر دیا جائے)۔

جب وہ جانے لگے تو حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ مسکرانے لگے۔

حجاج: مجھے تو خبر ملی تھی کہ تو ہنستا نہیں ہے، پھر یہ مسکرانا کیسا؟

سعید رضی اللہ عنہ: تو نے درست جانا ہے۔

حجاج: پھر قتل کے وقت مسکرانا چہ معنی؟

سعید رضی اللہ عنہ: میں اللہ کے مقابلے میں تیری جرأت (گناہ) اور تیرے بارے میں اللہ کے تحمل پر ہنس رہا ہوں۔

حجاج: (جلاد سے) اسے فوراً قتل کر دو!

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور بولے:

﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۚ﴾ ❶

’’میں یکسو ہو کر اپنا رخ اسی کی طرف کرتا ہوں، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

یہ سن کر حجاج نے کہا: اس کا چہرہ نصاریٰ کے قبلہ کی طرف پھیر دو۔

سعید رضی اللہ عنہ: ﴿ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ ❷

’’تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔‘‘

---

❶ ٦/الانعام: ٧٩۔ ❷ ٢/ البقرة: ١١٥۔

حجاج: اسے زمین پر منہ کے بل لٹادو۔

تب حضرت سعید نے تلاوت کی:

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ ❶

''اِسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اِسی میں سے پھر واپس لوٹائیں گے اور اِسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔''

حجاج: اِس اللہ کے دشمن کو ذبح کردو، یہ قرآن کی آیات کو کس قدر جاننے والا ہے۔

سعید رضی اللہ عنہ: میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور تمہیں قیامت کے دن تک اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

خلف بن خلیفہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ جب سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو انھوں نے تین مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا لیکن تیسری مرتبہ مکمل نہ کر سکے تھے کہ آپ کے جسدِ خاکی سے روح پرواز کرگئی۔ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ حجاج کے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد میری نظر میں اہل زمین میں سے کوئی انسان ایسا نہیں تھا جو اپنے اعمال کے سبب سے پریشان نظر نہ آتا ہو۔ اس کے بعد حجاج ایک سال زندہ رہا اور رمضان میں وفات پا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چھ ماہ بعد اس کی موت واقع ہوئی۔ پھر ان کے بعد اللہ نے حجاج کو کسی اور بے گناہ کے قتل پر قدرت نہ بخشی۔ ❷

حجاج بن یوسف ثقفی

ریاشی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حجاج جمعہ کے دِن باہر نکلا، اس نے آہ و بکا کی آواز سنی اور پوچھا: یہ آواز کیسی ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ قیدی ہیں جو پکار رہے ہیں کہ شدت کی گرمی نے ہمیں موت کے قریب کردیا ہے۔

یہ سن کر حجاج طیش میں آگیا اور بولا: اِن سے کہو کہ اِدھر ہی نامراد ہوکر پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ اِس کے بعد ایک ہفتہ تک ہی وہ زندہ رہ سکا اور اللہ نے اس پر اپنی گرفت کی۔

---

❶ ۲۰/طٰہٰ: ۵۵۔ ❷ وفیات الاعیان: ۲/ ۳۷۱۔

مشاہدہ کرنے والوں نے بتایا کہ جمعہ کے دن اسے دیکھا گیا تو وہ علیل تھا اور قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ موت کے قریب حجاج کو غشی کے دورے پڑنے لگے۔ جب اسے افاقہ ہوتا تو وہ کہتا: میرا اور سعید رضی اللہ عنہ کا معاملہ کیسا ہوا؟ جب وہ سوتا تو خواب میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھتا کہ وہ حجاج کا گریبان تھام کر پوچھتے ہیں : اے اللہ کے دشمن! تو نے کیوں مجھے قتل کیا تھا؟

حجاج خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھتا اور کہتا: میں نے سعید کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

اس کی موت کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا: اللہ نے تیرے ساتھ کیسا معاملہ کیا ہے؟ حجاج نے جواب دیا: میں نے جتنے لوگوں کو قتل کیا ہے ان کے بدلہ میں مجھے ایک ایک بار موت کا مزہ چکھنا پڑا لیکن سعید رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی پاداش میں مجھے ستر مرتبہ موت دی گئی۔

الاصمعی کہتے ہیں کہ جب حجاج بیمار ہوا تو لوگوں میں اس کی موت کی خبر پھیل گئی۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور خطبہ دیا:

کچھ شقی مزاج اور منافق لوگوں میں شیطان نے یہ خبر مشہور کر دی ہے کہ حجاج کی موت واقع ہو چکی ہے، ایسی افواہوں سے باز رہو! کیا میری موت کے بعد تم بھلائی کی امید رکھتے ہو؟ اللہ کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ دنیا و مافیہا کو فدیہ میں دے کر موت سے محفوظ رہوں، کیونکہ اللہ نے اپنی سب سے رذیل مخلوق ابلیس کو ابدی حیات عطا کی تھی۔ اللہ نے اس سے کہا تھا: ﴿ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴾ ''یقیناً تو مہلت دیے گئیوں میں سے ہے۔'' پھر اسے قیامت کے دن تک مہلت دے دی۔

اللہ کے برگزیدہ بندے (سلیمان علیہ السلام) نے دعا کی تھی: ﴿ وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي ﴾ ''اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی (دوسرے) شخص کے لائق نہ ہو۔''

اللہ نے انھیں بادشاہت و اختیارات سے نوازا تھا سوائے ابدی حیات کے۔ اور ایک

صالح انسان (حضرت یوسف علیہ السلام) نے فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد دعا کی تھی:

﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ [1]

''(اے اللہ) تو مجھے مسلمان ہی فوت کرنا اور نیکوں کے ساتھ ملا دے۔''

تو کیا وہ تمام انسان نہ تھے؟ یقیناً تھے اور تم بھی انسان ہو (جب انھیں ابدی زندگی نہیں نصیب ہوئی تو لامحالہ میں بھی موت سے ہمکنار ہوں گا اور تم بھی)۔

اللہ کی قسم! ہر جاندار مر جائے گا اور ہر آباد کو ویران ہونا ہے۔ پھر تین ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا کپڑا اسے کفن کے طور پر پہنایا جائے گا۔ تب زمین اس کے جسم سے گوشت نوچ کر کھا جائے گی اور اس کا خون پی جائے گی۔ پھر اس کی اولاد میں سے خبیث النفس انسان اُٹھ کر اس کا ناپاک مال تقسیم کرے گا۔ تم میں سے جو لوگ شعور رکھتے ہیں وہ میری بات کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بات کہہ کر وہ منبر سے اتر آیا۔

عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی حجاج پر (ناز و نعم یا مقام و مرتبہ کی وجہ سے) رشک نہیں کیا سوائے اس بات کے کہ وہ قرآن سے بے پناہ محبت رکھتا تھا اور اپنے گھر والوں کو بھی بہت ترغیب دلاتا تھا، اور میں اس کی اس بات سے بہت متاثر ہوا جب اس نے موت کے وقت کہا تھا: اے اللہ! مجھے بخش دے، کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تو مجھے معاف نہیں کرے گا۔

اصمعی بیان کرتے ہیں کہ اس نے موت کے وقت یہ شعر کہے:

يَا رَبِّ قَدْ حَلَفَ الْأَعْدَاءُ وَاجْتَهَدُوْا
بِاَنَّنِيْ رَجُلٌ مِنْ سَاكِنِي النَّارِ
اَيَحْلِفُوْنَ عَلٰى عَمْيَاءَ وَ يْحَهُمُ
مَا عِلْمُهُمْ بِعَظِيْمِ الْعَفْوِ غَفَّارٍ [2]

---

[1] ۱۲/یوسف: ۱۰۱۔

[2] یہ عبید بن ایوب عنبری کے اشعار ہیں جو اموی شاعر تھا، اشعار ایک طویل نظم سے لیے گئے ہیں۔

① اے میرے رب! میرے دشمنوں نے قسم اٹھا کر دعویٰ کیا ہے کہ میرا شمار جہنمیوں میں ہے۔

② کیا وہ محض جہالت کی بنیاد پر قسمیں اٹھا رہے ہیں؟ انھیں اس کا علم ہی نہیں کہ تو بلند مرتبت، بے مثال درگزر کرنے والا، معاف کرنے والا ہے۔

جب اس بات کی خبر حسن تک پہنچی تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر وہ نجات پا گیا تو بالضرور ان اشعار کے سبب سے ہی نجات پائے گا۔

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ جب حجاج کی موت واقع ہوئی تو کسی کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ ایک باندی نے جب اسے فوت شدہ پایا تو واویلا کرنے لگی اور کہا: بھوکوں کو کھانا کھلانے والا، یتیموں کا سرپرست، بیواؤں کا نگہبان، دکھوں کا مداوا کرنے والا، اہل شام کا سردار آج جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا ہے۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

اَلْيَوْمَ يَرْحَمُنَا مَنْ كَانَ يَبْغَضُنَا
وَالْيَوْمَ يَأْمَنُنَا مَنْ كَانَ يَخْشَانَا

آج کے دن جو شخص ہم سے بغض رکھتا تھا وہ ہم پر رحم کرے گا اور جو ہم سے خائف رہتا تھا وہ پرسکون ہو جائے گا۔ ❶

ابو طاؤس کو جب حجاج کی موت کی خبر ملی تو اس کی تحقیق کروائی گئی، بات سچ ثابت ہونے پر کہنے لگے:

﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ ❷

”پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔“

لوگوں کی کثیر تعداد یہ بیان کرتی تھی کہ جب حسن کو حجاج کی موت کے بارے میں پتہ چلا تو انھوں نے سجدۂ شکر کیا، وہ روپوش تھے پھر عوام کے سامنے آئے اور کہا: ”اے اللہ تو نے حجاج سے ہماری جان بچائی ہے اب اس کے (غیر اسلامی قوانین اور) طور طریقے بھی ہم سے دور کر دے۔“

---

❶ البداية و النهاية: ١٢/ ٥٥١ ❷ ٦/الانعام: ٤٥۔

حماد بن ابوسلمان کہتے ہیں کہ جب ابراہیم نخعی کو اس کی موت کا علم ہوا تو وہ شدتِ فرحت سے رونے لگے۔

زیاد بن ربیع نے جب حجاج کے حکم پر گرفتار کیے گئے قیدیوں کو بتایا کہ حجاج بیماری کی حالت میں ہے اور جلد وفات پا جائے گا، تو قیدی منتظر رہے۔ جب وہ رات آئی تو خوشی کے مارے تمام قیدی سو نہ سکے اور انتظار کرتے رہے کہ کب اس کی موت کی خبر انھیں دی جاتی ہے۔ پھر جب وہ فوت ہوا تو وہ رات رمضان کی ستائیسویں رات تھی۔

حجاج بن یوسف ثقفی کی موت ''واسط'' مقام پر واقع ہوئی۔ اس کی قبر کے اوپر سے (نہر یا نالے کے ذریعے) پانی جاری کر دیا گیا تا کہ مخالفین قبر کو دوبارہ کھود نہ لیں اور جلا نہ ڈالیں۔

ابوجعفر منصور سے یزید بن حوشب نے حجاج کی وصیت کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے: امیر المومنین! مجھے معاف رکھیے، دوبارہ پوچھا گیا تو بتایا کہ اس کی وصیت یہ تھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ حجاج بن یوسف کی وصیت ہے، وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا اور لاشریک ہے، اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس (حجاج) نے صرف ولید بن عبدالملک کی اطاعت کی ہے، اسی پر زندگی گزاری، اِسی پر اس کی موت آئی اور اِسی (عقیدہ و ایمان) پر وہ اٹھایا جائے گا۔ اس کی وصیت ہے کہ نوسو لوہے کی زرہوں میں سے سات سو زرہیں اہل عراق میں سے (منافق) لوگوں کو دے دی جائیں اور تین سو ترکوں میں تقسیم کر دی جائیں۔''

یہ کہہ کر ابوجعفر نے اپنا سر اٹھایا، اس کے پاس ابوعباس طوسی کھڑے تھے، وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ اسلام سے خارج ہے، لیکن تم ایسا مت کرنا (یعنی یہ ایسی جماعت ہے کہ اس سے مل جانا تمھیں زیب نہیں) [1]

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کی علالت نے جب شدت اختیار کی تو طبیب کو بلایا گیا، اس

[1] البداية والنهاية: ٩/ ١٣٨۔

نے معائنہ کرنے کے بعد کہا: میرے خیال کے مطابق ان کو زہر دیا گیا ہے اور یہ زہر انھیں موت کے منہ تک پہنچا دے گا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نگاہ طبیب کی طرف اٹھائی اور بولے: آپ تو اس شخص کے بارے میں بھی موت سے بے خوف نہیں ہیں جسے زہر نہیں دیا گیا۔

طبیب: امیرالمومنین! کیا آپ زہر کا اثر محسوس کرتے ہیں؟

عمر: ہاں میں تو تب ہی جان گیا تھا جب یہ میرے جسم میں داخل ہوا تھا۔

طبیب: آپ کو علاج کرانے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ جانِ عزیز سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔

عمر: لیکن مجھے اب رب کی ملاقات زیادہ محبوب ہے، اللہ کی قسم! اگر میں جان لوں کہ میرے کان کے نزدیک (یعنی انتہائی قریب) میرے لیے شفا رکھی گئی ہے تو پھر بھی میں اپنا ہاتھ وہ شے لینے کے لیے بلند نہ کروں گا۔

جب ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وہ رونے لگے، ان سے رونے کا سبب پوچھا گیا اور کہا گیا کہ آپ مت روئیں! بلکہ خوش ہو جائیے کیونکہ اللہ نے آپ کے ذریعے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کیا ہے اور عدل کا علم بلند کیا ہے۔ آپ کے آنسو پھر بھی نہ تھمے اور کہنے لگے: کیا میں اللہ کی بارگاہ میں (حشر کے دن) کھڑا نہ کیا جاؤں گا؟ پھر مجھ سے مخلوق کے بارہ میں سوال کیا جائے گا، اگر میں نے ان کے معاملہ میں عدل وانصاف کیا ہوگا تو اِس گرفت سے بچ جاؤں گا لیکن اپنے نفس کے محاسبہ سے ڈرتا ہوں کہ اگر اللہ نے پکڑ کر لی تو ابھی ایک دلیل پیش نہ کر پاؤں گا کہ دوسرا سوال کر دیا جائے گا، پھر بہت سے سوالات کے دلائل میں کہاں سے لاؤں گا؟ کیونکہ میں نے تو بہت سے احکامات کو ضائع کر ڈالا ہے۔

یہ کہہ کر پھر گڑگڑانے لگے۔

کچھ دیر بعد بولے: مجھے بٹھا دو! انھیں بٹھا دیا گیا تو کہنے لگے: (اے اللہ!) تو نے مجھے احکامات دیئے لیکن میں نے بجالانے میں کوتاہی برتی، تو نے منع کیا لیکن میں نے وہ افعال (قبیحہ) سرانجام دیئے، آپ کا یہ کہنا عاجزی اور انکساری کے سبب تھا ورنہ اپنے دورِ

حکومت میں انھوں نے کاروبارِ سلطنت اس طریقے سے اسلامی بنیادوں پر استوار کیا کہ لوگ انھیں عمر ثانی کے لقب سے یاد کرنے لگے اور انھیں اسلام کا خلیفۂ خامس کہا جاتا ہے (یہ بات تین مرتبہ دہرائی) پھر لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ پڑھا اور اپنا سر اٹھا کر ایک ٹک دیکھنے لگے: پوچھا گیا کہ کسے دیکھ رہے ہیں؟ تو جواب دیا: میں ایسی سبز پوش مخلوق کو دیکھ رہا ہوں جو نہ انسان ہیں اور نہ جن ہیں۔ پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔

ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت رحمہ اللہ:

وقتِ رخصت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے آخری الفاظ یہ تھے: اے اللہ مجھ پر رحم فرما! میں دنیا والوں میں سے سب سے کمتر انسان ہوں، میرے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! [1]

سفیان ثوری رحمہ اللہ

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ جب سفیان ثوری کے مرض الموت نے شدت اختیار کی تو وہ بے چینی کے عالم میں آہ و زاری کرنے لگے، اسی عالم میں مرحوم بن عبدالعزیز ان کے پاس آئے اور بولے: اے ابوعبداللہ! یہ بے قراری کیسی ہے؟ آپ نے ساٹھ سال اپنے رب کی بندگی کی ہے، اُس کے لیے روزے رکھے، نمازیں ادا کیں اور حج کیا ہے۔ یہ سن کر سفیان ثوری خوش ہو گئے۔ [2]

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ

حسن بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے ستو پینے کی خواہش کی، قرب و جوار میں صرف ایک آدمی ملا جس کے پاس ستو موجود تھے اور وہ بادشاہ کا ملازم تھا۔ ستو گھول کر ان کے پاس لائے گئے لیکن انھوں نے (ملازم کی ملازمت مشتبہ ہونے کی وجہ سے) نہ پیے اور اسی حالت میں وفات پا گئے۔

حسن ان کے احوال ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتاتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کہنے لگے: تم دیکھ رہے ہو کہ میرے لیے کلام کرنا دشوار ہو گیا ہے، جب تم سنو کہ میں نے کلمۂ شہادت

---

[1] وصايا العلماء: ١/ ٩٩۔ [2] البداية و النهاية: ١١/ ٢٠٩۔

پڑھا ہے تب مجھ سے مزید بات مت کرنا تا کہ میرا آخری کلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو۔ صالحین پسند کرتے تھے کہ ان کا آخری کلام کلمہ شہادت ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے:

((مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

''جس کا آخری کلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

کچھ دیر کے بعد ابن مبارک نے آنکھیں کھولیں اور مسکرائے، پھر کہنے لگے: ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴾ [1] ''ایسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔'' اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔ [2]

ہارون الرشید

ہارون الرشید کوفہ میں مقیم تھے، ایک رات انھوں نے ایک خواب دیکھا جس کی وجہ سے وہ بہت فکر مند اور غمگین ہو گئے۔ اسی اثنا میں ان کے پاس جبریل بن بختیشوع آئے اور پریشانی کی وجہ پوچھی۔ ہارون الرشید نے بتایا کہ میں نے ایک ہاتھ دیکھا ہے جس میں سرخ رنگ کی مٹی ہے اور آواز سنی ہے کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہ ہارون کی مٹی ہے۔

جبریل نے اس بات کو اہمیت نہ دی اور کہا: اے امیر المومنین! یہ بے بنیاد خیالات ہیں اسے بھول جائیے۔

وقت گزرتا گیا، ایک مرتبہ ہارون نے خراسان جانے کا ارادہ کیا لیکن دوران سفر ابھی ''طوس'' مقام پر پہنچے تھے کہ علیل ہو گئے اور وہیں قیام کیا۔ اس وقت انھیں اپنا خواب یاد آیا تو ان کا دِل دھل گیا اور بے چینی کے عالم میں جبریل سے کہنے لگے: تیری بربادی ہو، کیا تمھیں وہ خواب یاد ہے جو میں نے تمھیں بتایا تھا؟

جبریل: ہاں! بالکل یاد ہے۔

اس نے خوشی سے خادم کو بلایا اور کہا: اِس سرزمین سے کچھ مٹی لے کر آؤ!

خادم گیا اور اپنے ہاتھ میں تھوڑی سی سرخ مٹی لے کر آ گیا۔ جب ہارون نے اسے دیکھا تو کہا کہ اللہ کی قسم! یہی وہ ہاتھ ہے اور یہ وہی مٹی ہے جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

---

[1] ۳۷/ الصافات: ۶۱۔ [2] الطبقات الحنفیة: ۱/ ۵۲۹۔

جبریل کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اس کے تین دِن بعد ہارون الرشید کی موت واقع ہوگئی۔ انھوں نے اپنی موت سے قبل اسی گھر میں قبر کھودنے کا حکم دیا جس میں وہ مقیم تھے اور وہ گھر حمید بن ابی غانم طائی کا تھا۔ ہارون وہ قبر دیکھتے اور کہتے: اے ابن آدم! یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ پھر حکم دیا کہ اس قبر میں قرآن پڑھا جائے، جب تک اس میں قرآن مکمل نہیں پڑھا گیا وہ اس کے کنارہ پر بیٹھے رہے۔

جب وفات کا وقت قریب ہوا تو ایک چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے اور ان پر موت کی غشی طاری تھی۔ قریب موجود لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ اگر آپ لیٹ جائیں تو تکلیف کی شدت میں کمی ہوجائے گی۔ یہ سن کر ہنسنے لگے اور کہا: کیا تم نے شاعر کی بات نہیں سنی! اس نے کہا ہے:

وَإِنِّيْ مِنْ قَوْمٍ كِرَامٍ يَزِيْدُهُمْ
شِمَاسًا وَصَبْرًا شِدَّةُ الْحَدَثَانِ [1]

میں ان معزز لوگوں میں شامل ہوں کہ مصائب کی شدت جن کی ثابت قدمی اور قوتِ برداشت میں اضافہ کردیتی ہے۔

اس کے بعد ہارون الرشید پر موت کی بے ہوشیاں طاری ہونے لگیں، کچھ دیر کے بعد انھیں افاقہ ہوا تو دیکھا کہ سامنے فضل بن ربیع بیٹھے ہیں، اُن سے مخاطب ہوکر بولے: اے فضل!

أَحِيْنَ دَنَا مَا كُنْتُ أَخْشَى دُنُوَّهُ
رَمَتْنِيْ عُيُوْنُ النَّاسِ مِنْ كُلِّ جَانِبِ
وَأَصْبَحْتُ مَرْحُوْمًا وَكُنْتُ مُحَمَّدًا
فَصَبْرًا عَلَى مَكْرُوْهِ مُرِّ الْعَوَاقِبِ
سَأَبْكِيْ عَلَى الْوَصْلِ الَّذِيْ كَانَ بَيْنَنَا
وَأَنْدِبُ أَيَّامَ السُّرُوْرِ الذَّوَاهِبِ

① کیا وہ لمحات آگئے ہیں کہ جن کے آنے سے میں ڈرتا تھا (یعنی موت) اب ہر جانب

---

[1] البداية والنهاية: ١٠/ ٢١٣، یہ اشعار عبدالرحمٰن بن حسان کی طویل نظم سے ماخوذ ہیں۔

سے لوگوں کی آنکھیں مجھ پر لگی ہیں۔

② اب میں قابل رحم حالت میں ہوں، کل تک تو ہر ایک میری تعریف میں رطب اللسان تھا۔ پس ناگوار واقعات پر صبر ہی بہتر ہے۔

③ عنقریب میں وہ جدائی کی گھڑیاں یاد کر کے روؤں گا جو ہمارے درمیان حائل ہو جائیں گی۔ اور مسرت وخوشی کے ان ایام پر کف افسوس ملوں گا جو گزر چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ ❶

کہا جاتا ہے کہ موت کے وقت ہارون الرشید نے اپنا کفن ہاتھوں میں لیا، اسے دیکھتے رہے، پھر کہا:

﴿مَآ أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۜ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾﴾ ❷

''میرے مال نے بھی مجھے کچھ فائدہ نہ دیا، اور میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔''

امام شافعی رحمہ اللہ

مزنی بیان کرتے ہیں کہ جب امام شافعی مرض الموت میں مبتلا تھے، میں ان کے پاس گیا، ان کا حال دریافت کیا تو بولے: ''میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں، اپنے بھائیوں اور ساتھیوں سے جدا ہونے والا ہوں، ابھی اپنے برے اعمال کا بدلہ پالوں گا، مجھے اب موت کا جام پینا ہے اور اللہ کے ہاں حاضر ہونا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میری روح جنت کی طرف جائے گی کہ اس پر اسے مبارکباد پیش کروں یا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا کہ اس پر صبر کروں۔ پھر یہ شعر پڑھے:

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِيْ وَ ضَاقَتْ مَذَاهِبِي
جَعَلْتُ الرَّجَامِنِّيْ لِعَفْوِكَ سُلَّمَا
تَعَاظَمَنِيْ ذَنْبِيْ فَلَمَّا قَرَنْتُهُ
بِعَفْوِكَ رَبِّيْ كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمَا
فَمَا زِلْتَ ذَا عَفْوٍ عَنِ الذَّنْبِ لَمْ تَزَلْ
تَجُوْدُ وَ تَعْفُوْ مِنَّةً وَتَكَرُّمَا

---

❶ مآثر الإنافة: ١٩٣/١۔ ❷ (٦٩/الحاقة: ٢٨، ٢٩)

① جب میرا دِل ساکت ہونے لگا ہے اور رگِ جاں بند ہونے لگی ہے تو (اے اللہ) اب میں صرف امید لے کر تیرے ہاں حاضر ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے گا۔

② میرے گناہ (زیادہ ہونے کی وجہ سے) مجھے خوفزدہ کر دیتے ہیں لیکن جب میں تیری شانِ رحیمی کا سوچتا ہوں تو وہ بہت بلند ہے۔

③ تیری ذات تو ہمیشہ سے درگزر کرنے والی ہے اور تو احسان اور کرم کی انتہا کرتے ہوئے گناہ کو معاف فرما دیتا ہے۔

محمد معتصم بن ہارون الرشید

محمد معتصم اپنی موت کے وقت کہنے لگے:

﴿حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ ❶

''یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو اُن کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔''

اور بولے اگر میں جان لیتا کہ میری عمر قلیل ہے تو میں پُرتعیش زندگی نہ گزارتا۔ میں (اس وقت) تمام مخلوقات سے بڑھ کر مبتلائے مصیبت ہوں، اب تمام تدابیر بے سود ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں کہا تھا: اے اللہ! میں تیرے سامنے اپنے گناہوں کی وجہ سے خوفزدہ ہوں، ہاں تیری ذات سے خائف نہیں (کیونکہ تو گناہوں کو معاف کرنے والا ہے) اور تیرے جود و کرم کی وجہ سے پُرامید ہوں لیکن اپنے اعمال کی جزا کا امیدوار نہیں ہوں (کیونکہ نیکیاں مفقود ہیں)۔ ❷

---

❶ ٦/الانعام: ٤٤۔ ❷ البداية النهاية: ١٠/ ٦٩٢۔

حرف آخر

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ساری زندگی اللہ سے ڈرتے ہوئے گزار دیتے ہیں، شرائع اسلام اور سنتِ رسول کے مطابق اعمال کرتے ہیں، اپنے نفس کا محاسبہ کرنے میں لگے رہتے ہیں، ہر عمل پر کڑی نظر رکھتے ہیں، لیکن جب ان کے پاس موت آتی ہے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی زندگی معصیت سے بھری پڑی ہے۔ یہ خیال کیوں؟ اللہ سے خوف کی شدت اور اس کی مغفرت کے وثوق کی وجہ سے۔

لہٰذا ہر حقیقی مومن کو چاہیے کہ اس کا عمل ایسے ہی ہو، وہ اپنے نفس کا محافظ ومحاسب ہو۔ لیکن اگر یہ کیفیت بوقت موت اس پر طاری ہو تو اس وقت ندامت رائیگاں اور اظہارِ حسرت بے سود ہے کیونکہ: اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ موت کو فراموش کیے ہوئے زندگی گزار دیتے ہیں، پھر موت جب انھیں اپنی گرفت میں لیتی ہے تب عمر عزیز کی رائیگانی پر کفِ افسوس ملتے ہیں، ان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ موت آنے سے پہلے تک انھوں نے جیسے کبھی اس کے بارے میں جانا ہی نہ تھا، کچھ سنا ہی نہ تھا۔

یقیناً موت برحق ہے، اس سے جائے فرار کہاں؟ فرمان باری ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝٨﴾ [1]

"کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر رہے گی، پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے لیے تمام کام بتلا دے گا۔"

بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ موت تو انسان کی زندگی کی ساتھی ہے۔ ہم میں سے کون ایسا ہوگا کہ جس سے موت نے اس کی اولاد یا والدین جدا نہ کردیے ہوں، یا بہن

---

[1] ٦٢/الجمعة: ٨۔

بھائی اس سے نہ بچھڑ گئے ہوں یا موت نے اس کے رشتہ داروں اور دوستوں کو گلے نہ لگایا ہو، غرض موت ہر لحہ ہمارے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اس کی ہمراہی ناپسند کرتے ہیں، اس کے بارے میں سوچنا گوارا نہیں کرتے، اس حقیقت کے ثابت ہونے کے باوجود کہ موت لامحالہ آکر ہی رہے گی۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا اعلان ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○﴾ [1]

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے۔ پس جو شخص آگ سے ہٹادیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔''

انسان پر تعجب ہے کہ وہ موت سے فرار چاہتا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اِس دروازے سے گزرے بغیر چارہ نہیں۔ وہ امیدوں کے پیچھے لاحاصل کوشش کرتا ہے اور یہ جانتا تک نہیں کہ یہ امیدیں پوری ہوں گی یا اس سے پہلے ہی اسے موت آجائے گی اور وہ تہی دست و تہی داماں رہ جائے گا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا، پھر اس کے اردگرد بہت سے خطوط کھینچے پھر فرمایا: ((هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا؟ هٰذَا مَثَلُ ابْنِ اٰدَمَ وَ مَثَلُ الْمُتَمَنِّيْ وَذٰلِكَ الْخَطُّ الْاَمَلُ بَيْنَمَا يَأْمَلُ اِذَا جَآءَهُ الْمَوْتُ)) [2]

''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ یہ انسان کی مثال ہے (جو زندگی پر بڑا حریص ہے) اور یہ خط اس کی امیدیں ہیں، وہ امیدوں کے پیچھے دوڑتا ہے ابھی وہ پوری نہیں ہوتیں کہ موت اسے آدبوچتی ہے۔''

---

[1] ۳/ آل عمران: ۱۸۵۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الامل و طول، ٦٤١٨، السنن الکبریٰ للبیهقی: ۳/ ٥١٤، ۲: ٦٥٠٥، طبع دار الکتب العلمیة

دعا

اے اللہ! تو نے موت کو ہم پر لازم کر دیا ہے، جب اس کا وقت ہو تو ہم پر رحم کرنا اور اسلام کی حالت میں موت دینا۔

اے ہمارے رب! اے ربِ کائنات! اے معاف کرنے والے! اے رحمان ورحیم! تو ہمارے سردار، ھادیٔ اعظم، ہمارے پیشوا، امام المرسلین، خاتم الانبیاء، سید المتقین، شافع محشر، قائد برحق، حضرت محمد مصطفیٰ، مجتبیٰ، مرتضیٰ ﷺ پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرما، جب تک سورج اپنی کرنیں بکھیرے اور جب تک چاند کی چاندنی رہے۔

اے اللہ! اہل بیت رضی اللہ عنہم پر، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، صالحین پر اور ان مومنین پر قیامت کے دن تک رحمتیں نازل فرما جو ان کی سنتوں پر خلوص سے عمل کرتے ہیں۔

اے اللہ! تو ہمیں اپنے محبوب نبی ﷺ کی شفاعت نصیب فرما، اور جنت میں نبیوں، صدیقین، شہداء کی معیت عطا فرما، جن کی رفاقت بہت اچھی ہے۔

اے اللہ! ہم علم سے بے بہرہ ہیں سوائے اس کے جو تو ہمیں نوازے، پس ہمارے علم میں اضافہ فرما، زہد وتقویٰ نصیب فرما اور ہمارا شمار اپنے محبوب بندوں میں کر لے۔

تیری رحمتوں پہ ہے منحصر میرے ہر عمل کی قبولیت
نہ مجھے شعورِ التجا نہ مجھے سلیقۂ نماز ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَات

موت کا منظر

تالیف

خالد بن عبد الرحمٰن الشایع
سلطان بن فہد الراشد

ترجمہ

ظہیر احمد عبد الاحد

تخریج

عدنان الطاف السّلفی

مکتبہ اسلامیہ

یہ کتاب دستک ہے ہمارے قلوب واذھان پر، جن پر حرص وہوس اور خودغرضی کے ان گنت پردے لپٹ چکے ہیں اور انسانیت ان پردوں میں کہیں گم ہو چکی ہے......

دستک ہے ہمارے فکر ونگاہ کے لیے کہ جن کا مرکز فقط عیش پرستی اور خواہشاتِ نفس کی تکمیل ہے اور دانستہ یا غیر دانستہ ہم اس لمحہ کو تصور میں لاتے ہی نہیں، جب یہ دنیا اور اس کی تمام رنگینیاں بے حیثیت ہو جائیں گی اور پھر اگلے لمحے یا تو مالکِ ارض وسما کی جنت پوری آب وتاب سے ہماری منتظر ہو گی اور یا جہنم کی بھڑکتی آگ جلد کو بھسم کر دینے کے لیے بے چین ہو گی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَ نَعُوذُبِكَ مِنَ النَّارِ

''اے اللہ ہم تجھ سے تیری جنت کا سوال کرتے ہیں اور دوزخ سے پناہ کے طالب ہیں۔''

